اداریہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی خصوصیات

خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے اظہار کیلئے جہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور کئی قسم کے نشانات معجزات دلائل اور بینات عطا کئے جاتے ہیں وہاں انہیں ایک معجزہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ان کا کلام غیر معمولی طور پر ہر قسم کی خوبیوں سے لبریز اور ہر قسم کے محاسن سے آراستہ ہوتا ہے اور اُس کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں کسی جہت سے کوئی کمی واقع ہو اور کوئی دوسرا کلام اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جو کلام دیا جاتا ہے وہ خاص طور پر حکمت سے پر اور اپنے علم وحکمت کے لحاظ سے دوسرے تمام کلاموں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کے انبیاء اپنے اس علم وحکمت اور خدا کی تائیدات کی وجہ سے دوسرے تمام لوگوں پر غالب آجاتے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے آپؐ کو جو کتاب ملی وہ دائمی شاندار اعجاز اور قوت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کی تحدی تمام دنیا کے لوگوں کیلئے تا قیامت ایک حجت اور برہان ہے۔ 1400 سالوں سے یہ کلام تمام دنیا کے لوگوں کیلئے ایک معجزہ ہے نہ اس کلام کا مقابلہ پہلے کوئی کلام کرسکا ہے اور نہ آئندہ تا قیامت کوئی کرسکتا ہے۔ دیگر تمام الہامی کتب مرور زمانہ کی وجہ سے محرف ومبدل ہوچکی ہیں لیکن یہ دائمی شریعت غیر مبدل وغیر محرف آنحضرتؐ کی صداقت کا ایک زندہ نشان بن کر موجود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے امام الزمان حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام مبعوث فرمایا۔ آپ کو جو علم کلام اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے طفیل قرآن مجید کی تا قیامت ملنے والی برکات کا ایک حصہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دیگر ہزاروں معجزات کے علاوہ علمی معجزات عطا فرمائے اور آپؑ کو بے نظیر علم کلام عطا فرمایا۔ جب آپ نے دعویٰ فرمایا تو تمام لوگوں نے آپ کو طرح طرح کے طعن تشنیع کا نشانہ بنایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو شرمندہ اور رسوا کرنے کیلئے آپ کو معجزانہ کلام عطا فرمایا۔ آپؑ نے 80 سے زائد کتب اُردو فارسی کے علاوہ عربی زبان میں فصیح وبلیغ اور پُر معارف کتب تحریر فرمائیں۔ جس میں آپ نے چیلنج اور تحدی کے ذریعہ مخالفین کو مقابلہ میں آنے کیلئے دعوت دی اور بڑی بڑی رقمیں بطور انعام دینا مقرر فرمایا۔ مگر آج تک کسی کو مقابلہ میں کچھ لکھنے اور دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی جرأت وطاقت نہ ہوئی۔ آپ نے بڑے بڑے اہل زبان کو للکارا مگر وہ بھی آپ کے مقابلہ پر دم نہ مار سکے۔ صرف براہین احمدیہ کے ساتھ ہی آپ نے 10 ہزار روپے کا انعام مقرر فرمایا۔ (جس کی موجودہ قیمت کروڑوں روپے سے بڑھ کر ہے) اکیلے اس انعام اور چیلنج نے ہی مخالفین کی کمریں توڑ کر رکھ دیں اور قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ مسیح موعود کے ذریعہ اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس معجزانہ کلام کے ساتھ ایسا علم کلام چھوڑا جو ایسا شاندار علمی لٹریچر ہے کہ اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی لٹریچر نہیں کرسکا اور نہ کرسکتا ہے۔ اپنے تو اپنے غیر تک اس کلام کی عظمت اور عزت کے معترف ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی بعض خصوصیات پیش خدمت ہیں تا کہ قارئین ان پر غور کرکے آپ کی اور اسلام کی صداقت معلوم کرسکیں۔ آپ کے علم کلام کی بے شمار خوبیوں میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض خوبیاں تو بیرونی ہیں جبکہ بعض خوبیاں اندرونی ہیں۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی پہلی خوبی یہ ہے کہ وہ اسلام کی تائید اور غلبہ کے اظہار کیلئے اپنے اندر عقلی دلائل کا غیر معمولی اور شاندار ذخیرہ رکھتا ہے۔ آپ کے علم کلام کی اس خوبی نے عوام وخواص ہر ایک کے دل میں آپ کی صداقت اور سچائی کا لوہا منوایا۔ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کے علم کلام کی اس خوبی کے معترف ہیں) آپ نے عقلی دلائل سے ثابت کردیا کہ دیگر کتب موجودہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق نہیں اور نہ وہ ساری دنیا کے لئے ہوسکتی ہیں۔

(۲) آپ کے علم کلام کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے اندر نقلی دلائل کا بھی ناقابل تردید خزانہ رکھتا ہے۔ آریہ سماج کے خلاف برھمو سماج کے خلاف بالخصوص عیسائیت کے خلاف تو اس میں دلائل کا ایسا بے بہا خزانہ ہے کہ اُس نے اُن کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔ جس کی وجہ سے دیگر مذاہب

فہرست مضامین

ہفت روزہ بدر ''حضرت مسیح موعودؑ نمبر''

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی خصوصیت	شیخ مجاہد احمد شاستری صاحب	1
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی	(ادارہ)	2
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انداز تربیت	صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب	3
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خشوع وخضوع سے بھری ہوئی پاکیزہ نمازیں	عبد السمیع خان صاحب	13
جنگ مقدس	آصف محمود باسط صاحب	22
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند متفرق نوٹ	(ادارہ)	34
صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ائمۃ الکفر کے انجام کی روشنی میں	سید آفتاب احمد صاحب	35

کے متبعین نے اپنے لٹریچر کی کمی محسوس کرتے ہوئے اپنی عادت کے موافق اس میں ردوبدل کیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے توریت استثناء باب کی مشہور دس ہزار قدوسیوں والی آیت جس میں آنحضرتؐ اور آپ کے دس ہزار صحابہ کے ذریعہ فتح مکہ کی پیشگوئی تھی بدل ڈالی ہے۔

(۳) آپ کے علم کلام کی تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ تحدی اور انعامی چیلنجوں کی قوت سے مالا مال ہے۔ یہ چیلنج ایسے زبردست ہیں کہ انہیں آج تک کوئی ہلا نہیں سکا۔ انعام حاصل کرنا تو دور شرائط کے موافق ان کا ردّ بھی لکھنے کے بعد مخالفین کو ہمت نہ ہوئی۔ براہین احمدیہ پر انعامی چیلنج۔ اعجاز احمدی پر انعامی چیلنج وغیرہ بے شمار قیمتی چیلنج آج بھی مخالفین کیلئے ننگی تلوار ہیں۔

(۴) آپ کے علم کلام کی چوتھی خوبی یہ ہے کہ وہ رفتار زمانہ کے عین مطابق ہیں اور ہر زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والے ہیں۔ اس میں قرآن مجید اور اسلام کے احکامات کی تشریح علوم جدیدہ کے مطابق سائنٹفک طریق سے بیان کی گئی ہے۔ آپ کے کلام کی خوبی سے متاثر ہوکر بڑے بڑے مخالف علماء نے آپ کے کلام کو سرقہ کرکے اپنی کتب میں شامل کیا اور چوری کے مال کو خود اپنے نام سے شائع کرکے جھوٹی تشہیر حاصل کرنی چاہی۔ بطور مثال مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' کتاب میں کئی صفحات کے صفحات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے سرقہ کئے ہیں۔

(۵) پانچویں خوبی آپ کے علم کلام کو یہ حاصل ہے کہ اسے ہزاروں معجزات اور بینات اور نشانات الٰہیہ کی تائیدات حاصل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تازہ وحی اور الہام اور کلام پر مشتمل ہے۔ اپنی اشاعت کے زمانہ سے لیکر آج تک یہ نشانات پورے ہورہے ہیں۔ مثلاً ''آہ نادر شاہ کہاں گیا'' 'اہلِ بنگالہ کی دلجوئی ہوگی' تاریخی طور پر ثابت شدہ امر ہیں۔

(۶) آپ کے علم کلام کی چھٹی خوبی یہ ہے کہ اسے تاریخ کی تائید حاصل ہے اور اس کی کوئی بات بھی تاریخ کے خلاف نہیں بلکہ وہ عین تاریخ کے مطابق ہے۔ اور اس کے تاریخی دلائل ایسے ہیں جن کو مخالفین نے آج تک چھوا نہیں۔ آپ نے تاریخ کے دلائل سے ثابت فرمایا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام فلسطین سے ہجرت کرکے کشمیر تشریف لائے اور یہیں محلہ خانیار میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے اس بات کی تائید تاریخی شواہد سے ہوئی ہے اور آج ایک زمانہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے۔

(۷) آپ کے علم کلام کی ساتویں خوبی یہ ہے کہ عالمگیر امن کے اصولوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً آپ نے دوسرے مذاہب کے لیڈروں اور ان کے رشیوں منیوں کی تعظیم وتکریم کی تعلیم قرآن مجید کی ہدایت کی روشنی میں بیان فرمائی۔ جس کے مطابق ہر سال جماعت احمدیہ ساری دنیا میں جلسہ پیشوایان مذاہب منعقد کرتی ہے۔ آپ نے عالمگیر امن کے قیام کیلئے یہ اصول قائم فرمایا کہ ہمیں دیگر مذاہب کے نقائص بیان کرنے کی بجائے اپنے مذہب کی خوبیوں سے عوام کو روشناس کرنا چاہیئے۔

(۸) آپ کے علم کلام کی آٹھویں خوبی یہ ہے کہ وہ موجود الوقت گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری کی تعلیم پر مشتمل ہے اور گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات کو خوشگوار کرنے کی بنیادی تعلیم پیش کرتا ہے۔ آپ کے علم کلام کی روشنی میں دنیا کا ہر احمدی اپنے اپنے ملک کا وفادار اور ذمہ دار شہری ہے۔

بقیہ اداریہ صفحہ 40 پر ملاحظہ فرمائیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی

.... آپ کی تحریرات کی روشنی میں ....

''مَیں خدا تعالیٰ کے ان تمام الہامات پر جو مجھے ہو رہے ہیں ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن مقدس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور مَیں اس خدا کو جانتا اور پہچانتا ہوں۔۔۔۔۔۔سو مَیں اس وحی پاک سے ایسا ہی کامل حصہ رکھتا ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے کامل قرب کی حالت میں انسان رکھ سکتا ہے۔ جب انسان ایک پُرجوش محبت کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جیسا کہ تمام نبی ڈالے گئے تو پھر اس کی وحی کے ساتھ اضغاث احلام نہیں رہتے بلکہ جیسا کہ خشک گھاس تنور میں جل جاتا ہے ویسا ہی وہ تمام اوہام اور نفسانی خیالات جل جاتے ہیں اور خالص خدا کی وحی رہ جاتی ہے۔ اور یہ وحی صرف انہی کو ملتی ہے جو دنیا میں کمال صفا۔ محبت اور محویت کی وجہ سے نبیوں کے رنگ میں ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۰۴ اٹھارویں سطر میں یہ الہام میری نسبت ہے ''جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء'' یعنی خدا کا فرستادہ نبیوں کے حلّہ میں۔ سو مَیں شکّی اور ظنّی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔۔۔۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے دلائل قاطعہ سے یہ علم دیا گیا ہے اور ہر ایک وقت میں دیا جاتا ہے کہ جو کچھ مجھے القاء ہوتا ہے اور جو وحی میرے پر نازل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے نہ شیطان کی طرف سے۔ مَیں اس پر ایسا ہی یقین رکھتا ہوں جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب کے وجود پر۔ یا جیسا کہ اس بات پر کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ ہاں جب میں اپنی طرف سے کوئی اجتہاد کروں یا اپنی طرف سے کوئی الہام کے معنے کروں تو ممکن ہے کہ کبھی اس معنی میں غلطی بھی کھاؤں۔ مگر مَیں اس غلطی پر قائم نہیں رکھا جاتا۔ اور خدا کی رحمت جلد تر مجھے حقیقی انکشاف کی راہ دکھا دیتی ہے اور میری رُوح فرشتوں کی گود میں پرورش پاتی ہے۔''

(تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۶۴۔۶۵)

''سو مَیں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الورٰی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ **سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا** اور مَیں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۷ تا ۶۲)

''بعض نادانوں کا یہ خیال کہ گویا مَیں نے افتراء کے طور پر الہام کا دعویٰ کیا ہے غلط ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ کام اس قادر خدا کا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اس جہان کو بنایا ہے۔ جس زمانے میں لوگوں کا ایمان خدا پر کم ہو جاتا ہے اس وقت میرے جیسا ایک انسان پیدا کیا جاتا ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے اپنے عجائب کام دکھلاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ خدا ہے۔ مَیں عام اطلاع دیتا ہوں کہ کوئی انسان خواہ ایشیائی ہو خواہ یورپین اگر میری صحبت میں رہے تو وہ ضرور کچھ عرصہ کے بعد میری ان باتوں کی سچائی معلوم کر لے گا۔'' (اشتہار صفحہ ۱۶۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء مندرجہ کتاب البریہ)

''**جب تیرھویں صدی کا آخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعے سے مجھے خبر دی کہ تو اِس صدی کا مجدد ہے۔** اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ:-

''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُ هُمْ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' یعنی خدا تعالیٰ نے تجھے قرآن سکھلایا اور اُس کے صحیح معنے تیرے پر کھول دیئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا تو لوگوں کو بدانجام سے ڈراوے کہ جو بباعث پُشت در پُشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانے کے غلطیوں میں پڑ گئے۔ اور تا اُن مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہِ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔ ان کو کہہ دے کہ مَیں مامور من اللہ اور اوّل المومنین ہوں۔''

(کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱)

''امابعد واضح ہو کہ موافق اس سنّت غیر متبدلہ کے ہر یک غلبہ تاریکی کے وقت خدا تعالیٰ اِس امتِ مرحومہ کی تائید کے لئے توجہ فرماتا ہے اور مصلحت عامہ کے لئے کسی اپنے بندہ کو خاص کر کے تجدید دین متین کے لئے مامور فرما دیتا ہے۔ **یہ عاجز بھی اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجدد کا خطاب پا کر مبعوث ہوا۔** اور جس نوع اور قسم کے فتنے دنیا میں پھیل رہے تھے اُن کے رفع اور دفع اور قلع قمع کے لئے وہ علوم اور وسائل اس عاجز کو عطا کئے گئے کہ جب تک خاص عنایت الٰہی ان کو عطا نہ کرے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔''

(کرامات الصادقین صفحہ ۳)

''اِس زمانہ میں گندی تحریروں کے ذریعہ سے اس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی توہین کی گئی ہے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی نبی کی توہین نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔۔ اور درحقیقت یہ ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ شیطان اپنے تمام ذرّیات کے ساتھ ناخنوں تک زور لگا رہا ہے کہ اسلام کو نابود کر دیا جائے اور چونکہ بلاشبہ سچائی کا جھوٹ کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے۔ اس لئے یہ زمانہ بھی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اس کی اصلاح کے لئے کوئی خدا کا مامور آوے۔ **پس وہ مسیح موعود ہے جو موجود ہے۔** اور زمانہ حق رکھتا تھا کہ اس نازک وقت میں آسمانی نشانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی دنیا پر حجّت پوری ہو۔ سو آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور آسمان جوش میں ہے کہ اس قدر آسمانی نشان ظاہر کرے کہ اسلام کی فتح کا نقّارہ ہر ایک ملک میں اور ہر یک حصّہ دنیا میں بج جائے۔ اے قادر خدا! تُو جلد وہ دن لا کہ جس فیصلہ کا تو نے ارادہ کیا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور دنیا میں تیرا جلال چمکے اور تیرے دین اور تیرے رسول کی فتح ہو۔ آمین ثم آمین۔''

(چشمۂ معرفت صفحہ ۸۶۔۸۷)

''یہ سوال باقی رہا کہ **اس زمانہ میں امام الزمان کون** ہے جس کی پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور ملہموں کو کرنی خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ سو مَیں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ امام الزمان مَیں ہوں اور مجھ میں خدا تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں اور شرطیں جمع کی ہیں اور اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔۔۔۔ یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی۔ رسول۔ محدث۔ مجدد سب داخل ہیں۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات اُن کو دیئے گئے گو وہ ولی ہوں یا ابدال ہوں امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔'' (ضرورۃ الامام صفحہ ۲۴)

''**چونکہ یہ عاجز راستی اور سچائی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے** اس لئے تم صداقت کے نشان ہر ایک طرف سے پاؤ گے۔ وہ وقت دُور نہیں بلکہ بہت قریب ہے کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اُترتی اور ایشیاء اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے۔ یہ تم قرآن شریف سے معلوم کر چکے ہو کہ خلیفۃ اللہ کے نزول کے ساتھ فرشتوں کا نازل ہونا ضروری ہے تا کہ دلوں کو حق کی طرف پھیریں۔ سو تم اس نشان کے منتظر رہو۔ اگر فرشتوں کا نزول نہ ہوا اور ان کے اُترنے کی نمایاں تاثیریں تم نے دنیا میں نہ دیکھیں اور حق کی طرف دلوں کی جنبش کو معمول سے زیادہ نہ پایا تو تم نے یہ سمجھنا کہ آسمان سے کوئی نازل نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ سب باتیں ظہور میں آ گئیں تو تم انکار سے باز آؤ۔ تا تم خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک سرکش قوم نہ ٹھہرو۔''

(فتح اسلام صفحہ ۱۳ حاشیہ)

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اندازِ تربیت

(محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ربوہ۔ پاکستان)

خدا تعالیٰ کے مامورین اور انبیاء علیہم السلام اس لئے دنیا میں آتے ہیں تا کہ لوگ ان کو قبول کریں اور اپنی زندگیوں کو ان کی لائی ہوئی تعلیم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔اس غرض کے لئے خدا کے مامور خود بھی ان تعلیمات پر عمل کر کے ایمان لانے والوں کے لئے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں اور اپنے ماننے والوں سے امید کرتے ہیں کہ وہ اس نمونہ کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں گے۔اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انبیاء کی زندگی کے حالات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوں۔اسی اصول کے پیش نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حضورؐ کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی احادیث میں بیان کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی بھی صحابہ نے جمع کئے اور آئندہ آنے والوں کے لئے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں آپؑ کے نمونہ کو محفوظ کیا ہے۔

انسانی زندگی میں اولاد کی تربیت کی جو اہمیت ہے وہ ظاہر و باہر ہے اس اہمیت کے پیش نظر آج کے اس مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات در بارہ تربیت اولاد اور خود حضور کا اپنا نمونہ پیش ہے۔اس بارہ میں حضور نے ہمیں بہت واضح، اہم اور بنیادی ہدایات سے نوازا ہے اور خود ان پر عمل کر کے ہمارے لئے نمونہ پیش کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''میں لوگوں کی خواہش اولاد پر تعجب کیا کرتا ہوں۔کون جانتا ہے اولاد کیسی ہوگی۔اگر صالح ہو تو انسان کو دنیا میں کچھ فائدہ دے سکتی ہے اور پھر مستجاب الدعواۃ ہو تو عاقبت میں بھی فائدہ دے سکتی ہے۔اکثر لوگ تو سوچتے ہی نہیں کہ ان کو اولاد کی خواہش کیوں ہے اور جو سوچتے ہیں وہ اپنی خواہش کو یہاں تک محدود رکھتے ہیں کہ ہمارے مال و دولت کا وارث ہو اور دنیا میں بڑا آدمی بن جائے۔اولاد کی خواہش صرف اس نیت سے درست ہو سکتی ہے کہ کوئی ولد صالح پیدا ہو جو بندگانِ خدا میں سے ہو۔لیکن جو لوگ آپ ہی دنیا میں غرق ہوں وہ ایسی نیت کہاں سے پیدا کر سکتے ہیں۔انسان کو چاہیے کہ خدا سے فضل مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے''۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 295)

نیز فرماتے ہیں کہ:

''بہت سے لوگ ہیں جو اہل و عیال کا تہیہ کرتے ہیں اور ان کے سارے ہم و غم اسی پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں کہ ان کی اولاد ان کے بعد ان کے مال و اسباب اور جائیداد کی مالک اور جانشین ہو۔اگر انسان اسی حد تک محدود ہے اور وہ خدا کے لئے کچھ بھی نہیں کرتا تو یہ جہنمی زندگی ہے۔اس کو اس سے کیا فائدہ؟ جب یہ مرگیا تو پھر کیا دیکھنے آئے گا کہ اس کی جائیداد کا کون مالک ہوا ہے اور اس سے اس کو کیا آرام پہنچے گا۔اس کا تو قصہ پاک ہو چکا اور یہ کبھی پھر دنیا میں نہیں آئے گا۔اس لئے ایسے ہم و غم سے کیا حاصل جو دنیا میں جہنمی زندگی کا نمونہ ہے اور آخرت میں بھی عذاب دینے والا۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ 598)

اس سلسلہ میں حضور نے ایک بنیادی بات یہ بیان فرمائی ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت کے لئے کوشش اور جدوجہد اولاد کی پیدائش سے قبل شروع ہونی چاہیے اور اولاد کے پیدا ہونے کے بعد والدین کو خود اپنے اندر ایسی مثبت تبدیلی لانی چاہیے کہ بچے ان کو اپنے لئے ایک نمونہ بنائیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''انسان کو سوچنا چاہیے کہ اسے اولاد کی خواہش کیوں ہوتی ہے؟ کیوں کہ اس کو محض طبعی خواہش ہی تک محدود نہ کر دینا چاہیے کہ جیسے پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے .... جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لئے نہ ہو کہ وہ دین دار اور متقی ہو اور خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو کر اس کے دین کی خادم بنے، بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی معصیّت اور گناہ ہے اور باقیات صالحات کی بجائے اس کا نام باقیات سیّٔات رکھنا جائز ہوگا۔لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صالح اور خدا ترس اور خادم دین اولاد کی خواہش کرتا ہوں، تو اس کا یہ کہنا بھی نِرا ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا جب تک کہ وہ اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے اور منہ سے کہتا ہے کہ میں صالح اور متقی اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذّاب ہے۔صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ زندگی بناوے تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہوگی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہوگی کہ اس کو باقیات صالحات کا مصداق کہیں۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 560,561)

اولاد کی خواہش ایک فطری امر ہے۔لیکن حضور کے نزدیک دیگر جملہ فطری خواہشات اور تمناؤں کی طرح اولاد کی تمنا کو بھی خدا تعالیٰ کو خوش کرنے اور راضی کرنے کے ساتھ جوڑ دینا چاہیے اور اگر انسان اپنی اس تمنا کو خدا تعالیٰ کی رضا کے تابع لے آئے تو بعض اوقات خدا تعالیٰ معجزانہ طور پر بھی اولاد سے نواز دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کو باوجود بڑھاپے کے اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا۔اس لئے اولاد کے طالب اگر اپنی اس فطری خواہش کو خدا کی مرضی کے تابع کر لیں تو خدا تعالیٰ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک فرما سکتا ہے۔چنانچہ حضور فرماتے ہیں:

''اگر اولاد کی خواہش کرے تو اس نیت سے کرے وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ پر نظر کر کے کرے کہ کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جو اعلاء کلمۃ الاسلام کا ذریعہ ہو۔جب ایسی پاک خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ زکریا کی طرح اولاد دے۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ 579)

ضمناً اس موقعہ پر یہ بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ حضور نے بیان فرمایا ہے کہ:

''خدا تعالیٰ قادر ہے زکریا کی طرح اولاد دے دے'' حضور کا یہ فرمان فقط منہ کی باتیں نہ تھیں بلکہ خود حضور کے صحابہؓ کی زندگی میں یہ بات پوری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے جلوے دکھائے جس طرح اس نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا پر اپنی قدرت کا جلوہ دکھایا تھا۔

چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت منشی عطاء محمد صاحب پٹواری کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی تین بیویاں تھیں اور شادیوں پر کئی سال گزرنے کے باوجود اولاد کسی سے بھی نہ ہوئی تھی۔انہوں نے حضور کی خدمت میں خط لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری بڑی بیوی کے بطن سے لڑکا پیدا ہو۔جواب میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے تحریر فرمایا کہ حضور نے دعا کی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ''فرزند ارجمند۔صاحب اقبال خوبصورت لڑکا جس بیوی سے آپ چاہتے ہیں عطا کرے گا۔مگر شرط یہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں''۔

منشی صاحب کہتے ہیں میں ان دنوں سخت بے دین اور شرابی کبابی راشی مرتشی تھا۔ایک احمدی بزرگ سے میں نے پوچھا کہ زکریا والی توبہ کیسی ہوتی ہے انہوں نے کہا بے دینی چھوڑ دو۔حلال کھاؤ۔نماز روزہ کے پابند ہو جاؤ اور مسجد میں زیادہ آیا جایا کرو۔وہ کہتے ہیں میں نے یہ سب چیزیں چھوڑ دیں اور نماز روزہ کا پابند ہو گیا۔چار پانچ ماہ کا عرصہ گزرا تھا میں ایک روز گھر گیا تو اپنی بڑی بیوی کو دیکھا وہ رو رہی تھی۔وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ پہلے تو یہی مصیبت تھی کہ میرا بچہ نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے آپ میری دو سوکنوں کو لے آئے اب تو بالکل ہی امید ختم ہو گئی ہے کہ میرے حیض آنا ہی بند ہو گئے ہیں۔کہتے ہیں میں نے دائی کو بلایا کہ وہ بیوی کو دیکھے تو اس نے دیکھ کر کہا کہ میں تجھے ہاتھ بھی نہیں لگاتی نہ دوائی دونگی کیونکہ مجھے تو لگتا ہے کہ تیرے اندر خدا بھول گیا ہے یعنی بانجھ ہونے کے باوجود تیرے پیٹ میں تو لگتا ہے کہ بچہ ہے منشی صاحب کہتے ہیں میں نے بیوی کو بتایا کہ میں نے مرزا صاحب سے دعا کرائی تھی مزید کہتے ہیں کچھ عرصہ بعد ہی حمل کے پورے آثار ظاہر ہو گئے وہ کہتے ہیں میں نے سب لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ اب دیکھ لینا میرے لڑکا پیدا ہوگا اور ہوگا بھی خوبصورت لوگ میری بات پر تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایسا ہوا تو واقعی بڑی کرامت ہوگی۔آخر ایک رات لڑکا پیدا ہوا اور خوبصورت بھی تھا۔یہ لڑکا جس کا نام عبدالحق تھا جوان ہوا، بوڑھا ہوا اور ایک کامیاب کامران زندگی گزار کر بڑھاپے میں فوت ہوا۔

(ملخص سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 241 صفحہ 221-220)

اسی بات کو آپؑ آگے چل کر یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

''غرض اولاد کے واسطے صرف یہ خواہش ہو کہ وہ دین کی خادم ہو۔اسی طرح بیوی کرے تا کہ اس سے کثرت سے اولاد پیدا ہو اور وہ اولاد دین کی سچی خدمت گزار ہو اور نیز جذباتِ نفس سے محفوظ رہے.......... اس صورت میں اگر مال بھی چھوڑتا ہے اور جائیداد بھی اولاد کے واسطے چھوڑتا ہے تو ثواب ملتا ہے لیکن اگر صرف جانشین بنانے کا خیال ہے اور اس نیت سے سب ہم و غم

رکھتا ہے تو پھر گناہ ہے۔اس قسم کے قصور اور کسریں ہوتی ہیں جن سے تاریکی میں ایمان رہتا ہے ۔لیکن جب ہر حرکت وسکون خدا ہی کے لئے ہو جاوے تو ایمان روشن ہو جاتا ہے۔اور یہی غرض ہر مومن کی ہونی چاہیے کہ ہر کام میں اس کے خدا ہی مدنظر ہو۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 600)

ایک دوست کو جن کا بیٹا چند روز بیمار رہ کر فوت ہو گیا تھا۔نصیحت کرتے ہوئے حضور نے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا۔فرماتے ہیں:

’’نیت صحیح پیدا کرنی چاہیے ورنہ اولاد ہی عبث ہے۔دنیا میں ایک بے معنی رسم چلی آتی ہے کہ لوگ اولاد مانگتے ہیں اور پھر اولاد سے دکھ اٹھاتے ہیں۔دیکھو حضرت نوح کا لڑکا تھا کس کام آیا ؟اصل بات یہ ہے کہ انسان جو اس قدر مرادیں مدنظر رکھتا ہے اگر اس کی حالت اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو تو خدا اس کی مرادوں کو خود پوری کر دیتا ہے اور جو کام مرضی الٰہی کے مطابق نہ ہوں ان میں انسان کو چاہیے کہ خود خدا کے ساتھ موافقت کرے۔‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 295)

دوسری بنیادی بات جو حضور کے طریقِ تربیت میں نمایاں نظر آتی ہے اور جس کی طرف آپ نے بار بار ہمیں توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ باقاعدگی اور التزام کے ساتھ اپنے بچوں کے لئے دُعا کرتے رہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

’’میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دُعا نہیں کرتا۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 562)

پھر فرماتے ہیں:

’’والدین کی دُعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے.........میں التزاماً چند دُعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں اوّل اپنے نفس کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت وجلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ دوم پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ عین عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔سوم پھر اپنے بچوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 309)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کس طرح اپنی اولاد کے لئے دعائیں کرتے تھے اس کا ایک نمونہ ہمیں آپ کی ان نظموں میں نظر آتا ہے جو محمود کی آمین اور بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین کے نام سے جماعت میں متعارف ہیں اور جماعتی اور انفرادی تقریبات میں پڑھی جاتی ہیں۔محمود کی آمین میں اپنے بچوں کا ذکر کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں:

سب کام تو بنائے لڑکے بھی تجھ سے پائے
سب کچھ تری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے
تو نے ہی میرے جانی خوشیوں کے دن دکھائے
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین ودولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رُشد اور ہدایت اور عمر او رعزت
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

اے میرے بندہ پرور کر ان کو نیک اختر
رتبہ میں ہوں یہ برتر اور بخش تاج وافسر
تو ہے ہمارا رہبر تیرا نہیں ہے ہمسر
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

شیطاں سے دور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پرزِ نور رکھیو دل پر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

یہ تینوں تیرے بندے رکھیو نہ انکو گندے
کر ان سے دور یارب دنیا کے سارے پھندے
چنگے رہیں ہمیشہ کریو نہ ان کو مندے
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

اے میرے دل کے پیارے اے مہرباں ہمارے
کر ان کے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے
یہ فضل کر کہ ہوویں نیکو گہر یہ سارے
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

اے واحد ویگانہ اے خالق زمانہ
میری دعائیں سن لے اور عرضِ چاکرانہ
تیرے سپرد تینوں دیں کے قمر بنانا
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

یہ تینوں تیرے چاکر ہوویں جہاں کے رہبر
یہ ہادیٔ جہاں ہوں یہ ہوویں نور یکسر
یہ مرجع شہاں ہوں یہ ہوویں مہر انور
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

اہل وقار ہوویں فخر دیار ہوویں
حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
بابرگ وبار ہوویں اک سے ہزار ہوویں
یہ روز کر مبارک سبحٰن من یرانی

بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین میں اپنے بچوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں:

نجات ان کو عطا کر گندگی سے
برات ان کو عطا کر بندگی سے
رہیں خوشحال اور فرخندگی سے
بچانا اے خدا! بد زندگی سے
وہ ہوں میری طرح دیں کے منادی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡٓ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

عیاں کر ان کی پیشانی پہ اقبال
نہ آوے انکے گھر تک رُعبِ دجّال
بچانا ان کو ہر غم سے بہر حال
نہ ہوں وہ دکھ میں اور رنجوں میں پامال
یہی امید ہے دل نے بتا دی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡٓ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

دعا کرتا ہوں اے میرے یگانہ
نہ آوے ان پہ رنجوں کا زمانہ
نہ چھوڑیں وہ ترا یہ آستانہ
مرے مولیٰ! انہیں ہر دم بچانا
یہی امید ہے اے میرے ہادی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡٓ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

نہ دیکھیں وہ زمانہ بے کسی کا
مصیبت کا، اَلم کا ، بے بسی کا
یہ ہو میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا
بشارت تو نے پہلے سے سنا دی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡٓ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

تیسری بنیادی بات جو حضرت اقدس نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کے لئے بچپن سے ہی مناسب اقدام کرنے چاہییں۔ بچپن کے زمانہ میں اولاد کی تربیت کا خیال رکھنے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

’’دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ جب داڑھی نکل آئی تب ضَرَبَ یَضۡرِبُ یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہو گا۔طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے کسی دوسرے حصہ میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں اور قویٰ کے نشوونما کی عمر ہونے کے باعث ایسے دلنشیں ہو جاتے ہیں کہ پھر ضائع نہیں ہو سکتے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 44)

نیز فرمایا:

’’تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ اور خاص توجہ چاہیے کہ دینی تعلیم ابتداء سے ہی ہو اور میری ابتداء سے یہی خواہش رہی ہے اور اب بھی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے...........اگر مسلمان پورے طور پر اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کریں گے تو میری بات سُن رکھیں کہ ایک وقت ان کے ہاتھ سے بچے بھی جاتے رہیں گے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 44-45)

ابتدائی ایام میں دعویٰ سے قبل جب حضور علیہ السلام اتنے مصروف نہ ہوئے تھے خود بچوں کو پڑھاتے اور تعلیم دیتے تھے چنانچہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب اپنے بچپن اور جوانی کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے کے دستور کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی ان کو ابتدائی طور پر لکھنا پڑھنا سکھایا اور فارسی کی بعض کتب مثلاً تاریخ فرشتہ ، گلستان ، بوستان ،نحو اور منطق کے ابتدائی رسالے درساً پڑھائے تھے ۔آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں کتابیں سرہانے رکھ کر سو جایا کرتا تھا بہت محنتی نہ تھا۔سبق سمجھ لیا کچھ یاد بھی رکھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرا پہلا سبق بھی سنا کرتے تھے میں بھول بھی جاتا مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ پڑھنے کے متعلق مجھ سے ناراض ہوئے ہوں یا مجھے مارا ہو۔مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ناراضگی صرف دینی معاملات میں ہوتی تھی۔

(سیرت المہدی حصہ اول روایت نمبر 186 سیرت حضرت مسیح موعود مولفہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 377)

تربیت اولاد کیلئے بچوں کے جن سے تعلقات ہوں ان پر نظر رکھنا بھی بہت ضروری امر ہے۔حضرت اقدسؑ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

’’اگر تم اپنے بچوں کو عیسائیوں، آریوں اور دوسروں کی صحبت سے نہیں بچاتے یا کم از کم نہیں بچانا چاہتے تو یاد رکھو کہ نہ صرف اپنے اوپر بلکہ قوم پر اور اسلام پر ظلم کرتے اور بہت بڑا بھاری ظلم کرتے ہو۔اس کے یہ معنے ہیں کہ گویا تمہیں اسلام کے لئے کچھ غیرت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت تمہارے دل میں نہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 45)

چنانچہ حضرت اقدسؑ نہ صرف یہ کہ اپنے بچوں کی طرف بہت توجہ فرماتے تھے تا کہ ان کی تربیت میں کسی قسم کی کمی نہ رہ جائے بلکہ ان کے دوستوں سے بھی ویسا ہی سلوک کرتے تھے ۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ آپ کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ:

’’میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ صاحبزادگان کے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک فرمایا کرتے ۔جیسے اپنے بچوں سے شفقت فرماتے ایک روز آپؑ نے ہنس کر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ فلاں لڑکا (جو آج کل افریقہ میں ملازم ہے اور ان ایام میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت اقدس کے گھر میں رہا کرتا تھا۔کیونکہ اس کا باپ لنگر خانہ میں کام کرتا تھا عرفانی) حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب یا شریف احمد صاحب (دونوں میں سے کسی ایک کا واقعہ ہے عرفانی) کہہ رہا تھا کہ ہمارا باپ تو ہم کو بہت سے آم دیتا ہے۔صاحبزادہ صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے کہا (ان ایام میں آم آئے

ہوئے تھے اور حضرت اقدسؑ بچوں کو خود تقسیم فرما رہے تھے۔ عرفانی) حضرت اقدسؑ بہت ہنسے اور بہت سے آم صاحبزادہ صاحب کو دیئے۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ وہ اپنے ہم جولیوں میں اچھی طرح تقسیم کریں۔ یہ تو ان کے ہاتھ سے دلائے۔ اور خود ان سب کو جو ساتھ ہوتے برابر حصہ دیتے اور وہ حضرت کے گھر میں ایک شاہانہ زندگی بسر کرتے۔ عام سلوک میں حضرت اقدس کو کبھی کسی سے بھی فرق نہ ہوتا۔ کھانے پینے کے لئے برابر پوری آزادی اور فراغت حاصل تھی۔''

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 371,372 مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

حضرت اقدس کے اپنے بچوں کے ساتھ محبت و شفقت اور ان کی بیماری کے دوران ان کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح موعودؑ کی شفقت اور لطف اپنی اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ عام طور پر تمام بچوں کے ساتھ تھا۔ جماعت کے کسی فرد کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور اکثر ان کے نام آپ خود تجویز فرمایا کرتے ....مدرسہ کے غریب سے غریب طالب علم کی بیماری پر بھی آپ کا وہ جوش ہمدردی مشاہدہ کیا گیا ہے جو کہ کم لوگوں کو اپنی اولاد کے لئے بھی نصیب ہوتا ہوگا۔ آپ بار بار اضطراب سے پھرتے اور دعا مانگتے تھے۔ اور بار بار حالات پوچھتے تھے۔ اور اس کی صحت پر آپ کو ایسی خوشی ہوتی جیسے کسی اپنے بچہ کی صحت پر۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ عبدالکریم صاحب حیدر آبادی اور میاں عبدالرحیم خان صاحب خالد بیرسٹر ایٹ لاء اس شفقت کے اعجازی نشان ہیں۔''

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 386)

تربیت کے ضمن میں حضور کس طرح چھوٹی چھوٹی بات کا خیال رکھتے اور اس کی طرف توجہ فرماتے تھے اس بارے میں چند واقعات پیش ہیں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے اپنے ساتھ کھیلنے والے لڑکے کو مرزا نظام دین صاحب کے مکان کی طرف اشارہ کر کے بتایا ''دیکھو وہ نظام دین کا مکان ہے''۔

اس پر حضور نے حضرت میاں صاحب کو فوراً ٹوک دیا اور فرمایا:

''میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے۔ اس طرح نام نہیں لیا کرتے''۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 28 روایت نمبر 38)

یاد رہے کہ مرزا نظام دین صاحب حضور کے چچا زاد بھائی تھے لیکن دعویٰ کے بعد سے جانی دشمن ہو گئے تھے اور حضور کو تنگ کرنے اور تکلیف پہنچانے میں ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔

پھر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا ہی ایک واقعہ ہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مسجد میں آ گئے اور حضرت اقدس کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آ جانے پر دبی آواز سے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حضور نے فرمایا کہ ''مسجد میں ہنسنا نہ چاہیئے''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 367)

ایک اور واقعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضرت سیدہ امۃ الحفیظؓ کے بارے میں بیان فرماتی ہیں کہ:

جب کہ وہ ابھی بالکل چھوٹی تھیں کسی جاہل خادمہ سے ایک گالی سیکھ لی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے دہرا دی۔ حضور نے سخت خفگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ''اس چھوٹی عمر میں جو الفاظ زبان پر چڑھ جاتے ہیں وہ دماغ میں محفوظ بھی رہ جاتے ہیں اور بعض دفعہ انسان کی زبان پر مرتے وقت جاری ہو جاتے ہیں۔ بچے کو فضول بات ہرگز نہیں سکھانی چاہیے۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 290-289)

آپ مزید بیان فرماتی ہیں:

''مجھے دعاؤں پر آپ کا بیحد زور دینا یاد آتا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بھی آپ کے مشن کا ایک خاص اور اہم رکن ہے مجھے اکثر فرمایا کہ جب رات کو آنکھ کھلے دعا کیا کرو۔ تمہاری تہجد ہو جائے گی۔ اب تک جب کروٹ لوں آنکھ ذرا کھلے تو دعائیں اسی بچپن کی عادت کے مطابق میری زبان پر ہوتی ہیں۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 217,218)

اپنے بچپن کے زمانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

''جب میں چھوٹی سی لڑکی تھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی بار فرمایا کہ میرے ایک کام کے لئے دعا کرو یا دعا کرنا۔ ذرا غور کرو کہاں وہ ہستی برگزیدہ عالی شان اور کہاں میں۔ مگر آپ مجھے دعا کو کہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ بچوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم نے بھی دعائیں کرنی ہیں اور تا دعاؤں کی عادت پڑے اور بچے جان لیں کہ اللہ کا درِ رحمت کھلا ہے۔ مانگو گے تو پاؤ گے۔ یہ آپ کی تربیت تھی دعا کے متعلق''۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 66-67)

ایک اور جگہ لکھتی ہیں:

''میں بچہ تھی بالکل چھوٹی جب بھی آپ نے مجھے کہا اور شاید کئی بار کہ جب تم آنکھ کھلے کروٹ لیتی ہو اس وقت ضرور دعا کر لیا کرو میں اٹھ نہ سکوں بیمار ہوں کچھ ہو یہ عادت میری اب تک قائم ہے۔ دعا کرتے کرتے درود پڑھتے پڑھتے نیند آ جاتی ہے پھر آنکھ کھلے تو وہی سلسلہ''۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 270)

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حضور علیہ السلام بچوں کو بھی دعا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اسی طرح حضور بچوں کی خوابوں کو بھی سنجیدگی سے سنا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات ضروری سمجھتے تو نوٹ بھی فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے جلسہ سالانہ 1914ء کے خطاب میں اپنی ایک رؤیا کا ذکر فرمایا۔ جو حضور علیہ السلام نے اپنی الہاموں کی کاپی میں نوٹ کر لی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''جس رات کو میں نے یہ رؤیا دیکھی اسی صبح کو حضرت والد ماجد کو سنایا آپ سن کر نہایت متفکر ہوئے اور فرمایا کہ مسجد سے مراد تو جماعت ہوتی ہے شاید میری جماعت کے کچھ لوگ میری مخالفت کریں یہ رؤیا مجھے لکھوا دے۔ چنانچہ میں لکھواتا گیا اور آپ اپنی الہاموں کی کاپی میں لکھتے گئے۔ پہلے تاریخ لکھی پھر یہ لکھا کہ محمود کی رؤیا۔''

(برکات خلافت انوار العلوم جلد 2 صفحہ 181)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے سیرت المہدی جلد اول حصہ اول صفحہ 23 روایت نمبر 30 میں اپنی ایک رؤیا حضور کی خدمت میں بیان کی تو حضور علیہ السلام نے اس رؤیا کو توجہ سے سنا اور نوٹ کیا حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ ہر شخص کی خواب توجہ سے سنتے تھے اور بسا اوقات نوٹ بھی فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب.........مسجد کے نیچے کا راستہ دیوار کھینچ کر بند کر دیا تھا اور احمدیوں کو سخت تکلیف کا سامنا تھا اور آپ کو مجبوراً قانونی چارہ جوئی کرنی پڑی تھی۔ (اس موقعہ کے علاوہ کبھی آپ نے کسی کے خلاف خود مقدمہ دائر نہیں کیا) میں نے خواب دیکھا کہ وہ دیوار گرائی جا رہی ہے اور میں اس کے گرے ہوئے حصے کے اوپر سے گزر رہا ہوں۔ میں نے آپ کے پاس بیان کیا آپ نے بڑی توجہ سے سنا اور نوٹ کر لیا۔ اس وقت میں بالکل بچہ تھا۔''

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 23 روایت نمبر 30)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ایک اور رؤیا کا بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یکم اپریل 1905ء کو ذکر فرمایا تھا اور وہ رؤیا حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی رؤیا کی تشریح بتائی تھی اس تاریخ کی ڈائری میں درج ہے۔ صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب نے اپنا ایک رؤیا سنایا کہ پیر منظور محمد صاحب کہتے ہیں کہ نصرت الحق پورا ہو گیا ہے۔ اور چھپ گیا ہے۔ یہ خواب صاحبزادہ میاں شریف احمد کے خواب کی تشریح ہے۔ میاں شریف احمد صاحب نے یکم اپریل 1905ء کو خواب دیکھا تھا کہ۔ قیامت آ گئی ہے اور لوگ آسمان کی طرف اڑ کر جا رہے ہیں۔ اور دیکھا کہ ایک طرف بہشت ہے۔ اور ایک طرف دوزخ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بہشت تمہارے لئے ہے۔ مگر ابھی جانے کا حکم نہیں۔ عرفانی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی رؤیا کی تشریح صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کی رؤیا کو بتایا اور فرمایا کہ ''یہ قیامت نصرت الحق ہے۔ یہ براہین جلد پنجم سے مراد ہے۔ عرفانی غرض آپ بچوں کے خوابوں کو محض بچے سمجھ کر نظر انداز نہ فرماتے تھے۔''

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ 388 تا 389)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے اپنی ایک خواب کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضور کے استفسار پر انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کی اور حضور نے اپنی الہامات والی کاپی میں نوٹ کی۔

(تحریراتِ مبارکہ صفحہ 55)

اسی طرح حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں:

خواب مجھ سے آپ اکثر پوچھتے بھی اور خود سناتی جب بھی سرسری کبھی نہیں سنا کہ بچہ کی بات ہے بلکہ بڑی توجہ فرما کر سنا اور تعبیر سنا کر دل کو خوش بھی کیا کوئی ظاہری پورا کر دینے کا پہلو ہوا تو اس کو ضرور اسی صورت میں پورا کیا۔

آپ مزید فرماتی ہیں:

''آپ نے مجھے کہا کہ ایک خاص بات ہے دعا کرو۔ رات کو دو نفل پڑھو۔ دعا کرو کہ جو معاملہ میرے دل میں ہے اس کے متعلق تم کو کچھ اشارہ ہو جائے۔ میں نے دعا کی اور اسی شب خواب دیکھا۔ آپ کو سنایا.......کہ حضرت خلیفہ اوّل مستانہ وار چھت پر بیٹھے ہیں ہاتھ میں ایک کتاب ہے کہتے ہیں اس میں وہ الہام ہیں جو میرے متعلق ہیں اور سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا میں ابوبکر ہوں۔ خواب چھپ چکا ہے آپ نے مجھے پوچھا آپ ٹہل رہے تھے۔ میں نے کہا میں نے تو مولوی صاحب کو اس طرح دیکھا ہے انہوں نے کہا کہ 'میں ابوبکر ہوں' آپ نے ایسے الفاظ فرمائے کہ جیسے جو دعا کی تھی اسی کا جواب ہے۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 259)

حضور علیہ السلام کا یہ طریق صرف اپنی

اولاد تک محدود نہ تھا بلکہ کسی بھی بچہ کی خواب اگر آپ کے سامنے بیان کی جاتی اور اگر وہ کوئی پیغام اپنے اندر رکھتی تو حضور اسے نوٹ فرما لیتے تھے اور اس کی تعبیر فرماتے اور اگر اس کے کسی حصہ پر عمل کی ضرورت سمجھتے تو عمل بھی فرماتے۔ چنانچہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

جب آپ 1905ء کے زلزلہ عظیمہ کے بعد باغ میں تشریف لے گئے۔ تو مکرمی حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے بڑے لڑکے منظور صادق نے ایک رؤیا دیکھی کہ بہت سے بکرے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خواب کو سنکر اپنے خاندان کے ہر فرد کی طرف سے ایک ایک بکرا ذبح کیا۔ اور آپ کی اتباع میں ہر شخص نے جو مقدرت رکھتا تھا۔ ہر ممبر خاندان کی طرف سے ایک ایک یا کل خاندان کی طرف سے ایک ہی بکرا ذبح کیا۔ اور اس قسم کی قربانیوں سے خون کی ایک نالی جاری ہو گئی تھی۔ کم از کم ایک سو بکرا ذبح ہوا ہوگا۔

حضور علیہ السلام بچوں کی رؤیا سننے کی حکمت بیان کرتے ہوئے بعض اوقات فرماتے کہ بچوں کا نفس ذکیہ ہوتا ہے اس لئے ان کی خوابیں بھی صحیح ہوتی ہیں۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 387)

نیز یہ بھی فرمایا کہ:

''مومن کبھی رؤیا دیکھتا ہے اور کبھی اس کی خاطر کسی اور کو دکھاتا ہے۔ ہم نے اس کی تعمیل میں 14 بکرے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ سب جماعت کو کہدو کہ جس جس کو استطاعت ہے قربانی کردے''۔

(اخبار البدر 13/اپریل 1905ء صفحہ 02)

بعض لوگ کم عمری میں بچوں کو روزہ رکھوا دیتے ہیں اس بارہ میں بھی حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ:

قبل بلوغت کم عمری میں آپ روزہ رکھوانا پسند نہ فرماتے تھے بس ایک آدھ رکھ لیا کافی ہے۔ پھر ایک بار پھر آپ نے روزہ رکھ لیا اور آکر حضور کو بتایا کہ آج میرا روزہ پھر ہے آپ حجرہ میں تشریف رکھے تھے آپ نے مجھے پان دیا کہ لو پان کھالو تم کمزور ہو ابھی روزہ نہیں رکھنا توڑ ڈالو روزہ۔ میں نے پان تو کھا لیا مگر آپ سے کہا کہ صالحہ (چھوٹے ماموں جان حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی اہلیہ) نے بھی رکھا ہے ان کا بھی تڑوا دیں فرمایا بلاؤ اس کو بھی۔ میں بلا لائی۔ وہ آئیں تو ان کو بھی پان دیا اور فرمایا لو یہ کھالو تمہارا روزہ نہیں ہے۔ میری عمر اس وقت دس سال کی ہوگی۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 213-212)

حضور علیہ السلام بچوں کی تربیت کے لئے ایسے واقعات بھی بیان فرمایا کرتے تھے جن سے بچوں پر اچھا اثر پڑے چنانچہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں:

''آپؑ وقتِ فرصت بزرگوں کے واقعات اور ایسی باتیں سناتے جن سے دل پر بہت اچھا اثر ہوتا میرے بھائیوں کو خاص طور پر فرماتے تھے کہ نماز مغرب اور عشاء کے بعد باہر نہیں پھرنا۔ گھر پر رہو۔ اگر باہر دیر ہو جائے تو اس کو ناپسند فرماتے۔ حضرت چھوٹے بھائی صاحب پر میں نے ایک بار کافی خفا ہوتے دیکھا کہ تم شام کے بعد باہر کیوں پھرے''

ایک لڑکی کی کچھ عورتوں نے شکایت کی تھی کہ یہ کھڑکی میں سے باہر گلی میں جھانکتی رہتی ہے آپ نے اس کو بلا کر خفگی کا اظہار کیا اور کہا کہ تمہاری سزا ہے کہ اب میری لڑکی تم سے نہیں کھیلے گی۔ نہ بات کرے گی۔ مجھے بھی بلا کر کہا کہ اب اس سے نہ بولنا وہ بہت روئی دھوئی توبہ کی آپؑ کے حضور میں تو آپ نے دو چار روز کے بعد مجھے بلا کر کہا کہ اب تم اس کے ساتھ بات کر سکتی ہو۔

ایک اور شکایت سن کر اس کو تو آپ نے بہت لمبی نصیحت کی تھی..... آپ نے فرمایا عورت کی عصمت و عزت بہت نازک چیز ہے موتی کی آب جاتی رہتی ہے تو اس کی وہ قیمت نہیں رہتی جو صاف و شفاف در ناسفتہ کی ہوتی ہے۔ اپنی عصمت کی حفاظت عورت کو کرنا بہت ضروری ہے .... نیز آپ فرماتی ہیں: عام شکایت یا کسی خادم خادمہ کی چوری وغیرہ کی بات سنتے تو کہنے والے کو ٹوک دیتے میرے دل پر اتنا اثر تھا اس آپ کے طرز عمل کا۔ کئی بار پرانی غیر احمدی خادماؤں کو کچھ بغیر پوچھے چیز اٹھاتے دیکھا تو کبھی نہ شکایت کی۔ نہ کسی کو بتایا بلکہ خود شرم آتی تھی کہ یہ بات کہنے کی نہیں۔ پھر تو سب وہ لوگ بھی درست ہو گئے ہمارے دیکھتے دیکھتے۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 289-288)

حضرت مسیح موعودؑ بچوں کو بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف بھی ہمیشہ توجہ دلاتے رہتے تھے چنانچہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ وہ اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد مرحوم قینچی سے کھیل رہے تھے۔ میں نے قینچی کی نوک مبارک احمد کی طرف کر رکھی تھی۔ حضور علیہ السلام نے دیکھ لیا اور فرمایا۔ کبھی کوئی تیز چیز قینچی، چھری یا چاقو اُس کے تیز رخ سے کسی کو نہ پکڑاؤ اچانک کسی کو لگ سکتی ہے۔ کسی کی آنکھ میں لگ جائے کوئی نقصان پہنچے تو اپنے دل میں بھی ہمیشہ پچھتاوا رہے گا اور دوسرے کو تکلیف پہنچے گی۔ پھر اس بات سے بھی آپ ہمیشہ روکتے تھے کہ کبھی کوئی ڈھیلا پتھر وغیرہ کسی کی جانب نہ پھینکو۔ کسی کے لگ جائے یا آنکھ پھوٹ جائے یا سر پھٹ جائے۔ اس کا ہمیشہ خیال رہتا تھا اور ہمیشہ بچوں کو اس پر روکتے تھے۔ میں اور مبارک احمد آپ کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھے کھیل کھیل میں ایک دوسرے کو ٹانگیں مار رہے تھے۔ لڑائی نہیں تھی کیونکہ ہم دونوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔ فرمایا۔ کشتی کرو بیٹھک، کھیلو مگر (میری طرف خصوصاً دیکھ کر کہا) لڑکیوں کے بدن کا ایک حصہ ایسا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سخت چوٹ لگ جائے تو موت کا ڈر ہوتا ہے۔ تم دونوں کھیلو مگر خیال رکھو کہ کسی نازک جگہ کسی کو چوٹ نہ آئے۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 265)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح بظاہر چھوٹی باتوں پر بھی نظر رکھتے آپ بچوں کی سرگرمیوں اور کھیل کود پر بھی نظر رکھتے اور حسبِ موقعہ نصیحت فرماتے تھے۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت مولوی خیر الدین سیکھوانی صاحب نے بیان کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایسی باتیں جن کو بچے تو کیا بڑے بھی برا یا غیر اخلاقی نہیں سمجھتے تھے اور ان سے خود کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے بھی اپنے بڑوں کی نقل میں ایسی باتوں کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ حضورؑ ان کی طرف بھی توجہ دلاتے رہتے تھے۔

آپؓ بیان فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ آپ برائے سیر ..... نکلے ...... واپسی کے وقت راستہ کے ایک کنارے پر ایک درخت کیکر گرا ہوا تھا۔ کسی صحابی نے مسواکوں کے لئے اس درخت سے کاٹ کر لوگوں میں مسواکیں تقسیم کر دیں ...... اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہاتھ میں بھی کسی نے مسواک دے دی۔ (اس وقت حضرت خلیفہ ثانی بچے تھے ....) غرض جب ان کے ہاتھ میں مسواک آئی تو آپ نے بے تکلف حضرت صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ابا مسواک۔ آپ خاموش رہے۔ جب دوبارہ سہ بارہ کہا تو حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مسواک کس کی اجازت سے لی گئی ہے۔ حضور کا یہ فرمانا تھا کہ سب نے اپنے ہاتھوں سے مسواکیں پھینک دیں۔''

(الحکم 28-21 مئی 1934ء صفحہ 24)

مذکورہ بالا واقعہ سے حضور کی سیرت کے دو پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ حضور کی تربیت کا انداز یہ نہیں تھا کہ ہر وقت روک ٹوک کی جائے یا پیچھے پڑا جائے۔ چنانچہ حضور کی نظروں کے سامنے حضور کے صحابہؓ گرے ہوئے کیکر کی مسواکیں استعمال کرتے رہے حضور نے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ جب حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضور کی خدمت میں مسواکیں پیش کیں تب بھی حضور خاموش رہے لیکن مسواک قبول نہ فرمائی۔ مگر جب صاحبزادہ صاحب نے اصرار کے ساتھ دوبارہ مسواک پیش کی تو بچے کی اور اپنے اصحاب کی تربیت کے لحاظ سے حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مسواک کس کی اجازت سے لی گئی ہے؟

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میاں یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے۔ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

''میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں''۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 176 روایت نمبر 198)

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''جاڑے کا موسم تھا۔ محمود نے جو اس وقت بچہ تھا آپ کی واسکٹ کی جیب میں ایک بڑی اینٹ ڈال دی۔ آپ جب لیٹیں وہ اینٹ چبھے۔ میں موجود تھا۔ آپ حامد علی سے فرماتے ہیں حامد علی چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز چبھتی ہے۔ وہ حیران ہوا اور آپ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جا لگا۔ جھٹ جیب سے نکال لی اور عرض کیا یہ اینٹ تھی جو آپ کو چبھتی تھی۔ مسکرا کر فرمایا:

''اوہو چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں اینٹ ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں میں اس سے کھیلوں گا۔''

(سیرت حضرت مسیح موعود مرتبہ عبد الکریم سیالکوٹی صاحب صفحہ 81,82 طبع دوم)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی شفقت پدری کا نمونہ اور بچہ کی دلداری کا کس قدر خیال کرنا ہے۔ یہ بات بھی درست ہے لیکن میری رائے میں شفقت اور دلداری سے زیادہ یہ بچے کی تربیت کا ایک طریق ہے کہ کس طرح ایک چھوٹے سے بچے نے جو ایک امانت آپ کے پاس رکھوائی تھی اس کی پوری پاسداری کی جائے۔ تاکہ بچہ اس نمونہ کو اپنی زندگی میں اپنائے۔

چنانچہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی رضی اللہ عنہ جو حضور کے خاص دوستوں اور عاشقوں میں سے تھے، کے بیان فرمودہ ایک

واقعہ سے اس استدلال کی تائید ہوتی ہے اور یہ واقعہ بھی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ سے ہی تعلق رکھتا ہے ۔حضرت منشی صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے ۔اور سید فضل شاہ صاحب مرحومؓ حضور کے پیر داب رہے تھے کہ شاہ صاحب نے اشارہ کر کے مجھے کہا کہ یہاں پر جیب میں کوئی سخت چیز پڑی ہے ۔میں نے ہاتھ ڈال کر نکالی تو حضور کی آنکھ کھل گئی ۔آدھی ٹوٹی گھڑے کی ایک چپنی اور دو ایک ٹھیکرے تھے، میں پھینکنے لگا تو حضور نے فرمایا: یہ میاں محمود نے کھیلتے کھیلتے میری جیب میں ڈال دیئے ہیں ۔آپ پھینکیں نہیں میری جیب ہی میں ڈال دیں کیونکہ میاں نے ہمیں امین سمجھ کر اپنے کھیلنے کی چیز رکھی ہے وہ مانگیں گے تو ہم کہاں سے دیں گے؟''

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ 169 روایت نمبر 55 طبع جدید)

تربیت اولاد کے ضمن میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں کہ:

باوجودیکہ حضور بچوں کی تالیف قلب اور دلداری کے لئے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مان لیتے تھے مگر کبھی کبھی دینی کام کے پیش آجانے پر ان کے حسبِ خواہش معمولی کام بھی کرنے سے انکار کر دیتے تھے ۔15 فروری 1901ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے طلباء کا کرکٹ میچ تھا ۔بچوں کی خوشی بڑھانے کے لئے بعض بزرگ بھی شامل ہو گئے ۔کھیل میں نہیں بلکہ نظارہ کھیل کے لئے اور فیلڈ میں چلے گئے ۔حضرت اقدس کے ایک صاحبزادے نے بچپن کی سادگی میں کہا کہ: ابا تم کیوں کرکٹ پر نہیں گئے ۔یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مقابلہ میں 'اعجاز المسیح' لکھ رہے تھے ۔بچہ کا سوال سن کر جو جواب دیا وہ آپ کی فطرتی خواہش اور مقصد عظمیٰ کا اظہار کرتا ہے ۔فرمایا: ''وہ تو کھیل کر واپس آجائیں گے مگر میں وہ کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک قائم رہے گا۔''

(الحکم 21 فروری 1901ء صفحہ 7)

بچوں کی تربیت کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی طرف ہم میں سے اکثر بہت ہی کم توجہ دیتے ہیں حالانکہ بحیثیت ایک مسلمان اور ایک احمدی کے اس طرف توجہ دینے کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے ۔یہ پہلو دوسروں کی خدمت سے تعلق رکھتا ہے ۔حضور علیہ السلام تربیت کے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دیتے تھے اور اپنے بچوں کو متوجہ فرماتے رہتے تھے ۔چنانچہ اس ضمن میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بات سے بہت خوش ہوتے تھے کہ میں کسی کی خدمت کروں ۔وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر ایک ضعیفہ مائی تابی رہا کرتی تھیں ۔ان کو مستقل سر درد رہتی تھی ۔حضورؑ ان کا بہت خیال رکھتے تھے ۔ان کے علاج کے لئے دوائیاں بھی خود تجویز فرماتے اور دیتے تھے اور ان کو بادام کا شیرہ پلوایا کرتے تھے ۔آپ فرماتی ہیں کہ میں اکثر ان کو بادام کا شیرہ رگڑ کر تیار کر کے پلایا کرتی تھی اور مجھے احساس تھا کہ حضور میرے اس کام سے خوش ہوتے تھے۔

پھر فرماتی ہیں کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی بڑی بیوی جو مولویانی کہلاتی تھیں حضور کو ان کا بھی خیال رہتا تھا ۔فرماتی ہیں کہ مولویانی مجھے اپنی ٹانگوں پر کھڑا کر کے پیروں سے دبواتی تھیں اور اسے لتاڑنا کہتی تھیں ۔حضورؑ فرمایا کرتے تھے تم نے مولویانی کو لتاڑا بھی ۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ فرماتی ہیں میں حضور کے اتنا پوچھنے پر مولویانی کو خوب لتاڑا کرتی تھی۔

(مفہوماً تحریرات مبارکہ صفحہ 03-202)

ہمارے ماحول میں یعنی ہندو پاک میں ماں باپ اکثر نرینہ اولاد کی خواہش ہی رکھتے ہیں ۔اور جاہلیت کے زمانہ کے عربوں کی طرح بچی کا پیدا ہونا کسی حد تک باعث شرم خیال کرتے ہیں یا کم سے کم لڑکی کی پیدائش پر وہ خوشی محسوس نہیں کرتے جیسی خوشی ایک لڑکے کی پیدائش پر کرتے ہیں۔

پیدائش کے بعد بھی ماں باپ اپنے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ سلوک میں واضح طور پر لڑکے کو ترجیح دیتے ہیں بیٹوں کے لئے ماں باپ کا دل خاص طور پر کھلا ہوتا ہے حتی کہ روزمرہ کے کھانے میں بھی لڑکے کے لئے بہتر کھانا رکھا جاتا ہے اور لڑکی کے لئے معیار میں کم ۔لڑکے کی ہر طرح ناز برداری کی جاتی ہے اور لڑکی کی ضروریات سے بھی ایک گونہ تغافل برتا جاتا ہے اور اگر بدقسمتی سے بیٹے کی خواہش اور بیٹی کی جائز ضروریات میں ٹکراؤ ہو تو ماں باپ کا جھکاؤ بیٹے کی خواہش پورا کرنے کی طرف ہوتا ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طرز عمل اس کے برعکس تھا ۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ حضور علیہ السلام کے سلوک کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں: ''آپؑ نے بچپن سے مجھ پر بے حد شفقت فرمائی ۔حتیٰ کہ حضرت اماں جان بھی مناسب تربیت کے لئے کچھ کہتی تھیں تو آپؑ ان کو بھی روکتے تھے کہ اس کو کچھ نہ کہو ہمارے گھر چند روزہ مہمان ہے ۔یہ ہمیں کیا یاد کرے گی میں چھوٹی تھی تو رات کو اکثر ڈر کر آپؑ کے بستر میں جا گھستی ۔جب ذرا بڑی ہونے لگی تو آپؑ نے فرمایا کہ جب بچے بڑے ہونے لگتے ہیں (اس وقت میری عمر کوئی پانچ سال کی تھی) تو پھر بستر میں اس طرح نہیں آگھسا کرتے ۔میں تو اکثر جاگتا رہتا ہوں ۔تم چاہے سو دفعہ مجھے آواز دو میں جواب دوں گا اور پھر تم نہیں ڈرو گی ۔اپنے بستر سے ہی مجھے پکار لیا کرو ۔پھر میں نے بستر پر کود کر آپؑ کو تنگ کرنا چھوڑ دیا ۔جب ڈر لگتا پکار لیتی ۔آپؑ فوراً جواب دیتے ۔پھر خوف اور ڈر لگنا ہی ہٹ گیا ۔میرا پلنگ آپؑ کے پلنگ کے پاس ہی ہمیشہ رہا ۔بجز چند دنوں کے جب مجھے کھانسی ہوئی تو حضرت اماں جان بہلا پھسلا کر ذرا دور بستر بچھوا دیتی تھیں کہ ''تمہارے ابا کو تکلیف ہوگی''۔مگر آپ خود اٹھ کر سوتی ہوئی کا میرا سر اٹھا کر ہمیشہ کھانسی کی دوا مجھے پلاتے تھے ۔آخری شب بھی جس روز آپ کا وصال ہوا میرا بستر آپ کے قریب بالکل قریب ہی تھا کہ بس ایک آدمی ذرا گزر سکے اتنا فاصلہ ضرور ہوتا ۔مگر اُس وقت کی تفصیل لکھنے کی اِس وقت طاقت نہیں۔

ایک بار میرے چھوٹے بھائی صاحب حضرت مرزا شریف احمد نے وہ بھی آخر بچہ ہی تھے ۔اصرار کیا کہ میرا پلنگ بھی ابا کے قریب بچھا دیں مگر میں نے اپنی جگہ چھوڑنا نہیں مانا ۔حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ یہ ہمیشہ پاس لیٹتی ہے کیا ہوگا ۔آخر شریف کا بھی دل چاہتا ہے ۔ایک دو دن یہ اپنی ضد ذرا چھوڑ دے بھائی کو لیٹنے دے تو کیا حرج ہو جائے گا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا نہیں یہ لڑکی ہے اسکا دل رکھنا زیادہ ضروری ہے ۔حالانکہ حضرت اماں جان کی خاطر آپ کو بہت عزیز رہتی تھی حضرت اماں جان چھوٹے بھائی صاحب کو لے کر اس رات ان کی دلداری کے لئے خود بھی بیت الدعا میں زمین پر ان کو ساتھ لے کر سوئیں مگر میرا بستر وہیں رہا ۔لیکن مجھے یاد ہے کہ اس بات پر پھر میرا دل بھی دُکھا تھا اور ندامت محسوس ہوئی ۔آپ لیٹے ہوتے تھے میں دیکھتی جب آنکھ کھلتی کہ آپ کے لب مبارک ہل رہے ہیں اور اکثر آپ اٹھتے اور کاپی پر جو الہام ہوتا لکھتے دیکھ کر میں سمجھ جاتی تھی کہ الہام ہوا ہے ۔آپ کی ہلکی ہلکی زیرِ لب آواز مجھے یاد ہے کہ کثرت سے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم آپ پڑھتے رہتے تھے۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 200 تا 201)

لڑکیوں کی دلداری کے ضمن میں بھی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

''کبھی آپ حضرت اماں جان کے فرمانے پر کہ لڑکیوں کی اتنی ناز برداری ٹھیک نہیں ہوتی ۔لڑکیوں کی قسمت کی کیا خبر آپ مسکرا کر فرماتے خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے تم فکر نہ کرو۔

ایسا کئی بار میرے سامنے فرمایا:

میں پیسے مانگتی تو جو پہلی بار ہاتھ میں آجاتا پکڑا دیتے جو اکثر میری طلب سے زیادہ ہوتا تھا ۔آپ فرماتے کہ تمہاری قسمت ہے تھوڑا مانگتی ہو بہت ہاتھ میں آجاتا ہے ۔اب یہی لو میں واپس کیوں رکھوں ۔ایک بار میں نے دو آنے مانگے ۔روپیہ نکالا اور فرمایا مانگے دو آنے نکل آیا روپیہ یہ تو تمہاری قسمت ہے ....میں نے کہا مجھے لیچیاں دیں مگر قادیان میں ہر چیز کہاں ملتی اور نہ ابھی تک کہیں باہر سے آئی تھی ۔حضرت اماں جان نے فرمایا کہ اس کی باتیں تو دیکھیں بے وقت لیچیوں کی فرمائش اب کر رہی ہے ۔میں خفا سی ہو کر دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ رہی اور سو گئی ۔..........سوتے سوتے میری آنکھ کھلی تو آپ مجھے دونوں ہاتھوں پر اٹھائے لئے جا رہے تھے ۔جا کر مجھے گود سے اتار کر بھرے ہوئے لیچیوں کے ٹوکرے کے پاس بٹھا کر کہا لو کھاؤ اور حضرت اماں جان سے فرمایا کہ دیکھو چیز یہ مانگتی ہے اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے ۔خدا تعالیٰ مجھے دعاؤں کی توفیق بخشتا رہے اور میری دعاؤں کو اپنی رحمت اور کرم کے واسطے سے قبولیت کا شرف بخشے۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 203,204)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ حضور کے آخری سفر لاہور کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں

''آپ شام کو ضرور تھوڑی دیر کے لئے لینڈو میں سیر کو تشریف لے جاتے ۔ایک بار حضرت اماں جانؓ نے کہا لڑکی کو ساتھ لے جاتے ہو وہ دونوں بہوئیں ہیں ان کو کسی دن لے جایا کرو ۔آپ نے فرمایا نہیں میرے ساتھ مبارکہ ہی جائے گی وہ الگ جا سکتی ہیں۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 253)

بچوں پر شفقت اور ان کی دلداری کے ضمن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ ہم گھر کے بچے مل کر حضرت صاحب کے سامنے میاں شریف احمد صاحب کو چھیڑنے لگ گئے کہ ابا کو تم سے محبت نہیں ہے اور ہم سے ہے ۔میاں شریف بہت چڑتے تھے ۔حضرت صاحب نے ہمیں روکا بھی کہ زیادہ تنگ نہ کرو مگر ہم بچے تھے لگے رہے ۔آخر میاں شریف رونے لگ گئے اور ان کی عادت تھی کہ جب روتے تھے تو ناک سے رطوبت بہتی تھی ۔حضرت صاحب اٹھے اور چاہا کہ ان کو گلے لگا لیں تا کہ ان کا شک دور ہو مگر وہ اس وجہ سے کہ ناک بہہ رہا تھا پرے پرے کھنچتے تھے ۔حضرت صاحب سمجھتے تھے کہ شاید اسے تکلیف ہے اس لئے دور ہٹتا ہے ۔چنانچہ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا کہ حضرت صاحب ان کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور وہ پرے پرے کھنچتے تھے اور چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اصل بات کیا ہے اس

لئے ہم پاس کھڑے ہنستے جاتے تھے۔"
(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 48 روایت نمبر 64)

چوتھی بنیادی بات جو حضور اقدس نے تربیت اولاد کے ضمن میں بیان فرمائی ہے اور جس پر آپ نے خاص زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کرتے وقت ہمیشہ بچے کی خود داری اور عزت نفس کا خیال رکھا جائے اور کوئی ایسا طریق کار اختیار نہ کیا جائے جس سے بچے کی عزت نفس مجروح ہو چنانچہ فرماتے ہیں:

"اسلام چونکہ انسان کی کامل تربیت چاہتا ہے اور اس کی ساری قوتوں کا نشوونما اس کا مقصد ہے اس لئے اس نے جائز نہیں رکھا کہ وہ طریق اختیار کیا جاوے جو انسان کی بے حرمتی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی توہین کرنے والا ٹھہر جاوے۔"
(ملفوظات جلد دوم صفحہ 700)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں کہ:

آپ کبھی بے اعتباری کی، شک کی بات نہ کرتے تھے۔ بچوں پر یقین رکھتے تھے۔ یعنی اعتماد ظاہر فرماتے تھے اور اس اعتماد کی شرم نہ تو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنے دیتی اور نہ کوئی بات آپ سے پوشیدہ رکھنے کو دل چاہتا۔ جو بات کہو آپ غور سے سنتے جیسے کسی بڑے معتبر آدمی کی سنتے ہیں........ غرض بچہ کو نیک بات سنا دینا اور اس کے کاموں پر اس طرح سے نظر رکھنا کہ ہر وقت کی نکتہ چینی، شک وشبہ، روک ٹوک تو نہ ہو مگر خبردار ضرور رہیں آپ۔ اور بچہ پر بڑی حد تک اعتبار کر کے اس پر خود اپنے افعال کی غیرت اور ذمہ داری پیدا کر دینا۔ کوئی بات ہو تو الگ سمجھا دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت ہر وقت کی برسر عام جھڑکی سے بے غیرت بنانے کی۔
(تحریرات مبارکہ صفحہ 60)

اس ضمن میں آپ نے بچوں پر بے جا سختی اور مارنے پیٹنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا جب حضور کو علم ہوا تو آپ نے انہیں بلایا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیّت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوزِ دل سے دعا کرنے کو ایک حزب ٹھہرا لیں۔ اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔"
(ملفوظات جلد اول صفحہ 308,309)

بعض والدین ذرا ذرا سی غلطی پر بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے ہیں اور اصلاح کے نام پر بات بات پر بچوں کو روک ٹوک کرتے رہتے ہیں۔ یہ طریق بھی بچوں کی عزت نفس کو مجروح کرنے والا اور ان کی خودداری کو ٹھیس پہنچانے والا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

"ہدایت اور تربیت حقیقی خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے۔"
(ملفوظات جلد اول صفحہ 309)

بچوں کی غلطیوں پر حضور کا اپنا رویہ کیا ہوتا ہے اس پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے:

ایک بار حضرت مصلح موعود جبکہ ان کی عمر چار برس کی تھی بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اسی اثناء میں انہوں نے حضور اقدس کے ایک نہایت اہم اور ضروری مسودے کو دیا سلائی دکھا دی۔ مسودہ جل کر راکھ ہو گیا۔ حضور ابھی مضمون لکھ رہے تھے۔ لکھتے لکھتے پچھلا مضمون دیکھنے کی ضرورت پڑی تو مضمون کی تلاش ہوئی۔ لوگ پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا اور ایک ناگوار نظارے کے متوقع تھے لیکن جب حضور کو معلوم ہوا کہ مسودہ جل چکا ہے تو مسکرا کر فرمایا:

"خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی اور اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔"
(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 370-369)

مذکورہ بالا واقعہ کی اہمیت کو صحیح طور پر وہی سمجھ سکتے ہیں جو تصنیف وتالیف کا کام کرتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ محنت اور جدوجہد سے تحریر کیا گیا مسودہ اگر ضائع ہو جائے تو دل پر کیا گزرتی ہے اور انسان کتنی تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن حضور کو اپنی محنت اور کوشش اور وقت کے ضیاع کی طرف کا خیال نہیں آتا اور آپؑ کا دل اس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ غالباً اس ضیاع میں خدا کی کوئی حکمت ہوگی۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ ایک کتا ہمارے دروازے پر آیا۔ میں وہاں کھڑا تھا اندر کمرے میں صرف حضرت صاحب تھے میں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا ٹیپو۔ ٹیپو۔ ٹیپو۔ حضرت صاحب بڑے غصے سے باہر نکلے اور فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریز نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم ان کی نقل کر کے کتے کو ٹیپو کہتے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔"
(الفضل یکم اپریل 1958ء صفحہ 3 سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ 78)

ایک طرف آپ بچے کا یہ فعل تو برداشت کر لیتے ہیں کہ وہ آپ کے نہایت محنت سے لکھے ہوئے مسودہ کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے جس پر خدا بہتر جانتا ہے کتنی راتیں اور کتنے دن آپ نے محنت کی ہوگی اور اس تکلیف اور محنت کا آپ کو کچھ خیال بھی نہیں آتا جو دوبارہ آپ کو کرنی پڑی ہوگی۔ لیکن ایک شہید مسلمان بادشاہ جس کا مسلمان ہونے کے سوا آپ کے ساتھ کچھ بھی تعلق یا رشتہ نہ تھا۔ لاعلمی میں اسی بچے کا ایسا نام لینا جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو آپ سے برداشت نہ ہوا اور آپ نے اس کو نہایت سختی سے ڈانٹ دیا۔

تربیت کا یہی انداز ہے جو ہمیں اپنانا چاہیے۔ بچے کے قصور پر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کے تنگ کرنے پر ہم بعض دفعہ برافروختہ ہو جاتے ہیں اور بچوں کو سزا دینے لگ جاتے ہیں۔ ہماری یا گھر کی کوئی چیز بچے سے خراب ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو ہم سخت غصہ کرتے ہیں اور بچوں کو مارنے لگ جاتے ہیں اور دوسری طرف وہی بچہ اگر دین پر عمل کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے تو ہم اسے کچھ نہیں کہتے اور اس طرح ہم جہاں ایک طرف بچے پر نامناسب اور ناجائز حد تک سختی کرتے ہیں تو دوسری طرف حلم اور بردباری کے نام پر بچہ کی تربیت کے لئے مناسب حد تک سختی سے بھی گریز کرتے ہیں۔ اور نرمی کے نام پر بچوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کا تربیت کا یہ طریق نہ تھا بچے کی کوئی حرکت حضور کے لئے ذاتی طور پر خواہ کیسی ہی تکلیف یا مشقت کا باعث بنتی حضور اس پر کچھ نہیں کہتے تھے اور اس کی کئی مثالیں قبل ازیں اوپر دی جا چکی ہیں لیکن جہاں یہ سمجھتے تھے کہ بچہ شعائر اللہ میں سے کسی کو استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے یا کسی دینی فرض کی انجام دہی میں غفلت کا مرتکب ہو رہا ہے تو حضور اس کی اصلاح کے لئے فوری اقدام فرماتے اور مناسب سرزنش کرتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

چنانچہ اسی قسم کے ایک اور واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ حضرت صاحب کچھ بیمار تھے۔ اس لئے جمعہ کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ میں اس وقت بالغ نہیں تھا کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں۔ تاہم میں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد کو آرہا تھا کہ ایک شخص مجھے ملا۔ اس وقت کی عمر کے لحاظ سے تو شکل اس وقت تک یاد نہیں رہ سکتی تھی مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ اب تک مجھے اس شخص کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش ان کا نام ہے.... میں نے ان سے پوچھا۔ آپ واپس آرہے ہیں، کیا نماز ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا۔ "آدمی بہت ہیں مسجد میں جگہ نہیں تھی، میں واپس آ گیا۔" میں بھی یہ جواب سن کر واپس آ گیا اور گھر میں آکر نماز پڑھ لی۔ حضرت صاحبؑ نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا "مسجد میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں بچپن سے ہی حضرت صاحب کا ادب ان کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ میں نے دیکھا آپؑ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں میں نے کہا کہ میں گیا تو تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آ گیا۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن اب جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبدالکریم صاحبؓ آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ سے دریافت کی، وہ یہ تھی کہ آج لوگ مسجد میں زیادہ تھے؟ اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی کیونکہ میں خود تو گیا ہی نہیں تھا معلوم نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا مجھے اس کی بات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ان کی بات سے یہ سمجھا تھا کہ مسجد میں جگہ نہیں ہے۔ مجھے فکر یہ ہوئی کہ اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے یا بتانے والے کو ہوئی ہے، دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئے گا کہ میں نے جھوٹ بولا مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جواب دیا۔ "ہاں حضور! آج واقعہ میں بہت لوگ تھے۔ میں اب بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ خدا نے میری بریت کے لئے یہ سامان کر دیا کہ مولوی صاحب کی زبان سے بھی تصدیق کرادی کہ فی الواقعہ اس دن غیر معمولی طور پر لوگ آئے تھے۔ بہرحال یہ ایک واقعہ ہے جس کا آج تک میرے قلب پر گہرا اثر ہے۔"
(الفضل 18 جون 1925ء صفحہ 7)

اولاد کی تربیت کے متعلق حضرت اقدسؑ کی ایک روایت مکرمہ سکینہ بیگم صاحبہ اہلیہ ماسٹر احمد حسین یوں بیان کرتی ہیں کہ:

"حضور فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں میں یہ بری عادت ہے کہ ذرا سی بات میں گالیاں اور

کوسنوں پر اتر آتی ہیں بجائے اس کے اگر وہ اپنے بچوں کو نرمی سے پیش آئیں اور بجائے گالی کے ''نیک ہو'' کہہ دیا کریں تو کیا حرج ہے۔عورتیں ہی اپنے بچوں کو گالیاں سکھاتی ہیں اور برے اخلاق پیدا کرتی ہیں۔اگر یہ چھٹے تو بچوں کی بہت اچھی تربیت ہوسکتی ہے۔اگر میاں بیوی میں ناراضگی ہو جاوے تو چاہیے کہ دونوں میں سے ایک خاموش ہو جائے تو لڑائی نہ بڑھے اور نہ بچے ماں باپ کو تُوتُو مَیں مَیں کرتے سنیں بچہ تو وہی کام کرے گا جو اس کے ماں باپ کرتے ہیں اور پھر یہ عادت اس کی چھوٹے گی نہیں۔بڑا ہو گا ماں باپ کے آگے جواب دے گا پھر رفتہ رفتہ باہر بھی اسی طرح کرے گا اس لئے عورتوں کو اپنی زبان قابو میں رکھنی چاہیے۔آپ بیعت کرنے والوں کو ضرور کچھ روز اپنے گھر ٹھہراتے تھے۔''

(سیرت المہدی علیہ السلام صفحہ نمبر 319 روایت نمبر 1580)

جیسا کہ پہلے بیان کردہ واقعات سے ظاہر ہے حضور اپنے عملی نمونہ سے بھی ہمیں سکھاتے ہیں کہ بچے کی تربیت بچپن سے کرنی چاہیے اور دینی امور کی اہمیت بچپن میں ہی بچوں پر واضح کر دینی چاہیے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا بھی ایک اسی طرح کا واقعہ ہے۔آپ کی وفات بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔آپ ابھی بہت چھوٹے بچے تھے اور قرآن کریم کے ادب اور احترام کے بارہ میں کچھ بھی علم نہ رکھتے تھے کہ ان سے ایک ایسی بات ہوئی کہ جو حضور کے نزدیک قرآن کریم کے ادب کے خلاف تھی۔حضور کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ برداشت نہ کر سکے اور آپ نے مبارک احمد کے شانے پر تھپڑ مارا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

''حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب آپ کے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ہر بچہ اپنے ماں باپ کو پیارا ہوتا ہے قدرتی طور پر مبارک احمد کو حضرت صاحب بہت پیار کرتے تھے۔وہ خدا تعالیٰ کی آیت تھا۔اس سے ایک مرتبہ قرآن مجید کے متعلق سہواً ایک بے ادبی ہوگئی۔.................... حضرت اقدس نے جب دیکھا تو ان کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ شخص گویا بالکل بدل گیا تھا۔باوجودیکہ آپ بچوں کو تعلیمی معاملات میں سزا دینے کے بہت خلاف تھے مگر اس کو برداشت نہ کر سکے اور مبارک احمد کو ایک تھپڑ مارا جس سے نشان ہوگیا۔اور اظہار رنج فرمایا کہ قرآن مجید کی بےادبی ہوئی ہے وہ بچہ ہے ابھی ان آداب سے واقف نہیں لیکن آپ اس کو برداشت نہیں کرسکتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی حرکت کسی سے دانستہ یا نادانستہ ایسی سرزد نہ ہو جو استخفاف شریعت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کی ہتک اور تحقیر کا موجب ہو''

(سیرت مسیح موعود مولفہ یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 273,274)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں بیان فرماتے ہیں:

''میں ابھی چھوٹا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور بڑی محبت کرتے تھے۔ایک دفعہ آپ کسی کتاب کا مسودہ لکھ رہے تھے اس وقت میری عمر گیارہ بارہ سال کی تھی آپ کی عادت تھی کہ آپ ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھتے بھی جاتے تھے۔اسی طرح آپ اس وقت ٹہلتے بھی جاتے اور لکھ بھی رہے تھے۔مسجد کے پاس ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسے بیت الفکر کہتے ہیں۔اس کی ایک کھڑکی مسجد کی طرف کھلتی تھی۔میں بھی پہلے اس کھڑکی سے گزر کر نماز پڑھانے کے لئے آیا کرتا تھا بعد میں ہجوم زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسری کھڑکی بنا دی گئی اور میں نے اس سے آنا شروع کر دیا۔اس کمرے یعنی بیت الفکر میں حضرت ام المومنینؓ رحل پر قرآن کریم رکھے تلاوت کر رہی تھیں۔آپ کے پاس ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بھی بیٹھا ہوا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبارک احمد سے بے حد پیار تھا بلکہ آپ کا پیار عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے میں بھی پاس کھڑا تھا میں نے دیکھا کہ جیسے چیل جھپٹا مارتی ہے آپ کود کر اس کمرہ میں گئے اور مبارک احمد کو ایسا تھپڑ مارا کہ اس کے منہ پر سرخ نشان پڑ گئے۔میں حیران تھا کہ ہوا کیا؟ ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ کہے تجھے شرم نہیں آتی کہ تم اللہ تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہو! بعد میں میں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مبارک احمد کوئی چیز مانگ رہا تھا میں نے کہا کہ تلاوت کے بعد میں تمہیں وہ چیز دوں گی۔اس پر اس نے رحل کو دھکا دیا اور کہا یہ چھوڑ دو اور مجھے وہ چیز دو۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی کود کر اندر آئے اور ایسے زور کے ساتھ اسے تھپڑ مارا کہ اس کے منہ پر نشان پڑھ گئے حالانکہ مبارک احمد اس وقت ایک چھوٹا بچہ تھا اور آپ اس سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔''

(تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور۔انوار العلوم جلد 21 صفحہ 25 تا 26)

یہ واقعہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی 74,75 سالہ زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے اور آپ کے حالات واخلاق آپ کے دوستوں اور دشمنوں نے، اپنوں اور غیروں نے، آپ کے مریدوں اور آپ کے مخالفوں نے، مردوں، عورتوں اور بچوں نے بیان کئے ہیں۔ان بیان کرنے والوں میں غریب عوام بھی ہیں اور آپ کے زمانہ کے بڑے لوگ بھی۔حضور کے جانثار خدام بھی ہیں اور حضور کی جان لینے کا عزم رکھنے والے بھی۔لیکن کسی بیان کرنے والے نے کوئی ایسا واقعہ بیان نہیں کیا جس میں یہ ذکر ہو کہ حضور نے اپنے بچپن میں، جوانی میں یا بڑھاپے میں کسی کو مارا ہو یا جسمانی سزا دی ہو۔آپ کی حیات طیبہ میں یہی ایک واقعہ ملتا ہے جس میں آپ نے بدنی سزا دی اور وہ بھی کسی ذاتی قصور پر نہیں۔قرآن کریم کی بے ادبی پر اور وہ بھی اپنے بیٹے کو جبکہ وہ ابھی ناسمجھی کی عمر میں تھا۔

جیسا کہ اوپر بیان کردہ متعدد واقعات سے ظاہر ہے کہ دینی شعائر کی حُرمت اور ان کا احترام کرنا اور ہر بات میں دینی پہلو کو مدّنظر رکھنا حضور کے طریق تربیت کا ایک اہم جزو تھا۔حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ دو واقعات بیان کرتی ہیں جن سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے:

''ایک شام آسمان پر ہلکے ہلکے ابر میں خوبصورت رنگ برنگ کی دھنک دیکھ کر ہم سب بچے خوش ہو رہے تھے۔آپؑ اس وقت صحن میں ٹہل رہے تھے جو بعد میں ام ناصر کا صحن کہلاتا رہا ہے۔میں نے کہا یہ جو کمان ہے اس کو سب لوگ (پنجابی میں) ''مائی بڑھی کی پینگ'' کہتے ہیں اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا اس کو عربی میں ''قوسِ قزح'' کہتے ہیں۔مگر تم اس کو قوس اللہ کہا کرو۔نیز فرمایا کہ ''قوس قزح'' کے معنی شیطان کی کمان ہیں۔یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہی ہے۔''

مزید فرماتی ہیں:

''ہمارے بچپن میں ایک کھلونا آتا تھا لک اینڈ لاف Look and laugh دوربین کی صورت کا۔اس میں دیکھو تو عجیب مضحکہ خیز صورت دوسرے کی نظر آتی تھی۔جب یہ کھلونا لاہور سے کسی نے لا کر دیا۔آپ کو یہ چیز میں نے دکھائی آپ نے دیکھا اور تبسّم فرمایا۔کہا۔اب جاؤ دیکھو اور ہنسو کھیلو۔مگر دیکھو یاد رکھنا میری جانب ہرگز نہ دیکھنا۔سب والدین بچوں کو تہذیب سکھانے کو ادب بڑوں کا سکھاتے ہیں۔مگر یہ ایک خاص بات تھی اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی مودب بن کر بھی آتا ہے اور خود اس کو اپنا ادب بھی اپنی ذاتی شخصیت کے لئے نہیں بلکہ اس مقام کی عزت کے لئے جس پر اس کو کھڑا کیا گیا۔اس ذات پاک و برتر کے احترام کی وجہ سے جس نے اس کو خاص مقام بخشا جس کی جانب سے وہ بھیجا گیا سکھانا پڑتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان میں معجزانہ اثر تھا۔آپ نہ بات بات پر ٹوکتے نہ شوخیوں پر جھڑکنے لگتے بلکہ انتہائی نرمی سے فرماتے کہ یوں نہ کرو۔جس بات سے آپ نے منع کیا مجھے یاد نہیں کہ کبھی بھول کر بھی وہ بات پھر کی ہو........عمر بھر کو اس بات سے طبیعت بیزار ہوگئی۔''

(تحریرات مبارکہ صفحہ 265-264)

حضرت اقدسؑ جہاں دینی شعائر کی حرمت واحترام کے متعلق بچوں کے معاملہ میں کسی بھی لحاظ کے روادار نہ تھے۔وہاں دوسری طرف ایسے افعال واعمال میں جہاں کسی قسم کی دینی اور اخلاقی حیثیت متاثر نہ ہوتی ہو، وہاں آپ بچوں کی تربیت اور ان کو سمجھانے کے معاملہ میں بھی کسی قسم کی سختی کے قائل نہ تھے۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اس ضمن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے متعلق ایک واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں:

''ایک روز حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لئے تشریف لے گئے ابھی تھوڑا سا دن چڑھا تھا۔سردی کا موسم تھا پندرہ سولہ احباب ساتھ تھے پھر پیچھے سے اور بہت سے آملے۔حضرت خلیفہ ثانی مدفیضہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی آگئے اور ایک دو لڑکے اور بھی ان کے ساتھ تھے۔چھوٹی عمر تھی ننگے پاؤں اور ننگے سر میاں بشیر احمد صاحب تھے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تبسم فرما کر فرمایا کہ:

''میاں بشیر احمد! جوتی ٹوپی کہاں ہے؟ کہاں پھینک آئے؟''

میاں بشیر احمد صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور ہنس کر بچوں سے کھیلتے کھیلتے آگے بڑھ گئے۔اور کچھ فاصلہ پر دوڑ گئے۔آپؑ نے فرمایا بچوں کی بھی عجیب حالت ہوتی ہے۔جب جوتا نہ ہو تو روتے ہیں کہ جوتا لا کے دو اور جب جوتا منگوا کر دیا جاوے تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے اور نہیں پہنتے یونہی سوکھ سوکھ کر خراب ہو جاتا ہے۔یا گم ہو جاتا ہے۔کچھ بچوں کی جبلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی۔عجیب بےفکری کی عمر ہوتی ہے۔اور اکثر اپنے آپ کو پا برہنہ رکھنا ہی پسند کرتے ہیں۔''

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 371 مولفہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)

تربیت کا ایک اور انداز ہمیں حضور کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ایک دفعہ محرم کا مہینہ تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔آپ نے اپنے بچوں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا آؤ میں تمہیں محرم کی کہانی سناؤں۔پھر آپ نے بچوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور خاندان نبوت کے دیگر افراد کی شہادت کے واقعات سنائے۔آپ یہ واقعات

سنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ جب آپ یہ واقعات سنا چکے تو آپ نے بڑے درد سے فرمایا ''یزید پلید نے یہ ظلم ہمارے نبیؐ کے نواسے پر کروایا مگر خدا نے بھی ان ظالموں کو بہت جلد اپنے عذاب میں پکڑ لیا۔''

(سیرت طیبہ مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 37-36)

یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں جو ایک دفعہ ہوا ہو۔ بچوں کی تربیت کے لئے حضور باوجود اپنی بے پناہ مصروفیت کے وقت نکالتے تھے۔ سبق آموز کہانیاں اور واقعات ان کو سناتے تھے۔ چنانچہ ایسی کئی کہانیوں اور قصوں کا تذکرہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

حضرت نواب مبارکہ صاحبہؓ نے بھی اپنے ایک پیغام میں جو انہوں نے خدام الاحمدیہ ربوہ کے اجتماع کے موقعہ پر 1963ء میں دیا تھا۔ دو ایسی سبق آموز کہانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے بچوں کو سنایا کرتے تھے اور یہ دونوں کہانیاں تربیتی پہلو سے بہت اہم ہیں۔ حضورؑ فرماتے تھے:

ایک بزرگ کو کسی شخص نے آن کر کہا کہ فلاں شخص آپ کو ایسا برا بھلا کہتا ہے۔ ان بزرگ نے سن کر فرمایا کہ اس نے مجھ پر تیر چلایا مگر وہ راہ میں گر پڑا تم نے اس کو اٹھا کر لا کے میرے سینے میں چبھو دیا۔ گویا دکھ دینے والے تم ہوئے۔

دوسری کہانی حضور حاسد محسود کی بھی سنایا کرتے اور فرماتے خدا محسود بنائے حاسد نہ بنائے۔ حسد بہت برائیوں کی جڑ ہے خدا اس مرض سے بچائے اس کا مریض کھجلی کے مریض کی طرح اس کو قسم قسم سے ابھارتا اور اس آگ کو بجھنے نہیں دیتا جو دراصل اسی کو جلا رہی ہوتی ہے جب ضمیر اس کو نادم کرنا چاہتا ہے تو وہ عیب چینی سے ایک جھوٹی تسلی اپنے دل کو دیتا ہے اور بدگمانی کی راہ اختیار کر کے جو حسد کا ایندھن ثابت ہوتی ہے اس دوزخ کو بھڑکاتا ہے۔ حسد اس کی آنکھ پر ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ وہ نہیں سوچتا کہ اپنا ہی برا کر رہا ہے محسود کا کچھ نہیں بگڑ رہا۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 114-113)

حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ اسی طریق تربیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بارہا میں نے دیکھا ہے اپنے اور دوسرے بچے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور آپ کو مضطر کر کے پائینتی پر بٹھا دیا ہے اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوّے اور چڑیا کی کہانیاں سنا رہے ہیں اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں اور حضرت ہیں کہ بڑے مزے سے سنے جا رہے ہیں گویا کوئی مثنوی ملّائے روم سنا رہا ہے''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صفحہ 73 طبع دوم)

بچوں میں بار بار سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ بسا اوقات جب ماں یا باپ کسی کام میں مصروف ہوں اور بچہ بار بار آ کر ان کو تنگ کرے تو عام طور پر والدین چڑ کر بچوں کو ڈانٹنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات حضور کو بھی پیش آتے تھے لیکن حضور کبھی بچوں کو اس بات پر ڈانٹتے نہ تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور تنہائی میں کسی اہم کتاب کے لکھنے میں مصروف ہیں اور عادت کے مطابق دروازہ بند کیا ہوا ہے اور ایک بچے نے آ کر دستک دی ''ابا بوا کھول''۔ حضور نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ بچے نے کمرہ کے اندر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر باہر جا کر کھیل میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اسے کمرے میں جانے کا خیال آیا اور پھر اس نے آواز دی ''ابا بوا کھول''۔ حضور پھر لکھتے لکھتے اٹھتے ہیں مسکرا کر بچے کی بات سنتے ہیں اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو کجا اُلٹا اس کی فرمائش پوری کر دیتے ہیں۔

(ملخص سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی)

چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

جب ہم بچے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواہ کام کر رہے ہوں یا کسی اور حالت میں ہوں ہم آپ کے پاس چلے جاتے تھے کہ ابا پیسہ دو اور آپ اپنے رومال سے پیسہ کھول کر دے دیتے تھے۔ اگر ہم کسی وقت کسی بات پر زیادہ اصرار کرتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ میاں میں اس وقت کام کر رہا ہوں زیادہ تنگ نہ کرو۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 49 روایت 65)

بچوں کی تربیت کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ بچوں کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان سوالات کے شافی جواب ان کو ملیں جب کہ ہم میں سے اکثر بچوں کے سوالات کو سنجیدگی سے لینے کے بجائے ٹالنے کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ لیکن حضور کیا طریق اختیار فرماتے تھے اس بارہ میں حضرت ڈاکٹر سید میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ میں دعویٰ مسیحیت شائع کیا تو میں ان دنوں چھوٹا بچہ تھا اور شاید تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے اس دعویٰ سے کچھ اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن میں مدرسہ گیا تو بعض لڑکوں نے مجھے کہا کہ وہ جو قادیان کے مرزا صاحب تمہارے گھر میں ہیں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں اور یہ کہ آنے والے مسیح وہ خود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ان کی تردید کی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ تو زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہوں گے۔ خیر جب میں گھر آیا تو حضرت صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں کہ آپ مسیح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرا یہ سوال سن کر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ اٹھے اور کمرے کے اندر الماری سے ایک نسخہ کتاب فتح اسلام (جو آپ کی جدید تصنیف تھی) لا کر مجھے دے دیا اور فرمایا اسے پڑھو۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہے کہ آپ نے ایک چھوٹے بچے کے معمولی سوال پر اس قدر سنجیدگی سے توجہ فرمائی ورنہ یونہی کوئی بات کہہ کر ٹال دیتے۔''

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 20 21 روایت نمبر 26)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے اور ہمارے ماحول میں یہ بات عام ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے ماحول میں کچھ اہمیت پا جاتا ہے تو وہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسرے لوگوں کے سامنے بچوں کو خواہ وہ اس کے اپنے بچے ہی ہوں گودی اٹھائے اور اپنے ساتھ لے کر جائے۔ اگر کبھی ایسی ضرورت پیش بھی آ جائے تو ایسے اشخاص اپنے زیر دست یا زیر اثر لوگوں سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کے بچوں کو گودی اٹھا کر ساتھ چلیں۔ مگر حضرت اقدسؑ کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ آپ بچوں کو گود میں اٹھا کر باہر بھی لے آتے تھے اور دوران سیر اگر وہ بھی ساتھ آ جاتے تو ان کی خواہش پر ان کو اٹھا بھی لیتے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ آپؑ کی اس محبت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ:

''آپ بچوں کو گود میں اٹھائے ہوئے باہر نکل آیا کرتے تھے۔ اور سیر میں بھی اٹھالیا کرتے۔ اس میں کبھی آپ کو تامل نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ خدام جو ساتھ ہوتے وہ خود اٹھانا اپنی سعادت سمجھتے مگر حضرت بچوں کی خواہش کا احساس یا ان کے اصرار کو دیکھ کر آپ اٹھا لیتے اور ان کی خوشی پوری کر دیتے۔''

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ 389)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ آپ کی اپنے بچوں سے محبت کا ایک واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ آپ نے کشف میں صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے متعلق دیکھا کہ وہ مبہوت اور بدحواس ہو کر دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا ہے اور نہایت بے قرار ہے اور حواس اڑے ہوئے ہیں اور کہتا ہے کہ ''ابا پانی'' یعنی مجھے پانی دو۔ حضرت اقدس اس وقت باغ میں مقیم تھے اور دو گھنٹہ بعد اس کشف کے بعینہ یہ واقعہ پیش۔ آٹھ بجے صبح کا وقت تھا اور حضرت اقدس ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ مبارک احمد چار برس کی عمر کا تھا۔ یکایک وہ اسی طرح مبہوت ہو کر حضرت کی طرف آیا اور کشف پورا ہو گیا۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے اس کو گود میں اٹھا لیا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں تیز قدم اٹھا کر اور دوڑ کر کنوئیں تک پہنچا اور اس کے منہ میں پانی ڈالا۔

اس نقشہ کا تصور کریں کہ جب آپ چار برس کے بچے کو اٹھاتے ہوئے کنوئیں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ آپ نے یہ پروا نہیں کی کہ میں آواز دے کر اپنے بیسیوں خادموں کو بلا سکتا ہوں۔ پانی ہی منگوا سکتا ہوں۔ کسی کا انتظار نہیں کیا بلکہ خود اٹھا کر بھاگتے ہوئے کنوئیں کی طرف چلے گئے۔''

(سیرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ 285)

ہر بچہ کبھی نہ کبھی ضد میں آ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر والدین تحمل سے کام لینے کی بجائے مار پیٹ کرتے ہیں اور اگر وہ روئے تو اسے زبردستی چُپ کرانا چاہتے ہیں اور جب بچہ چُپ نہیں کرتا تو بے تحاشا مار پیٹ کر کے اپنا غصہ نکالتے ہیں۔ حضور کا نمونہ ایسے مواقع پر بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

لدھیانے کا واقعہ ہے حضرت مصلح موعود تین برس کے تھے۔ آدھی رات کے وقت کسی بات پر رونے لگے اور روتے چلے گئے۔ حضور گود میں لے کر بہلاتے رہے لیکن بچہ چُپ ہونے میں نہیں آتا۔ توجہ کو پھیرنے کے لئے حضور نے فرمایا ''دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے'' بچہ ذرا چُپ ہوا اور پھر اور بھی زور شور سے رونے اور چلّانے لگا ''ابا تارے جانا''۔ اور حضور اپنے آپ سے فرما رہے تھے ''یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی''۔ آخر بچہ تھک کر خاموش ہو گیا لیکن اس تمام عرصہ میں ایک دفعہ بھی حضور نے بچہ کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ (سیرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی)

حضرت اقدسؑ کو جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال تھا۔ وہاں آپ بچوں کی صحت و تیمارداری میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ اور اس کام میں اس قدر محو ہو جاتے کہ گمان گزرتا کہ شاید آپ کو اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ ہے۔ مگر آپ کا یہ فعل بھی صرف اور خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہی ہوتا تھا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اس بارہ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

آپ کے صاحبزادے اکثر بیمار ہو جاتے۔ ان کے علاج معالجہ اور دوادرمن میں

راتوں کو دن کر دینا معمولی بات ہوتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) کی آنکھیں بیمار تھیں۔ آپ اس کے علاج کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ اور ساری ساری رات خود لے کر ٹہلتے رہتے اور ان کو بہلاتے مگر کبھی شکایت نہ کی۔ ہم نے اپنے گھروں میں دیکھا ہے کہ بیماری ذرا لمبی ہوئی یا کسی کو زیادہ وقت تک کسی بیمار کے پاس رہنا پڑا تو گھبرا کے ایسے الفاظ منہ سے نکال دیتے ہیں جو قابل افسوس ہوتے ہیں مگر حضرت کو دیکھا گیا کہ بعض اوقات مہینوں تیمارداری کرنی پڑی ہے اور ساری ساری رات اور دن بھر اس کوفت میں رہے ہیں مگر زبان سے کوئی لفظ شکوہ کا نہیں نکلا پوری مستعدی کے ساتھ اس میں لگے رہے۔"

(سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 289)

والدین اس بات کی بہت خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے بچے بہت امیر ہوں۔ بڑے بڑے دنیاوی عہدوں پر پہنچیں اور صاحب اقتدار اور صاحب ثروت بنیں اور انسان کی پیدائش کے حقیقی مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے بچوں کے لئے نہ خواہش رکھتے ہیں اور نہ اس کے لئے کوشش اور توجہ اور دعا کرتے ہیں۔ حضور اپنے بچوں کے لئے کیا خواہش رکھتے تھے؟ فرماتے ہیں:

"مجھے اپنی اولاد کے متعلق کبھی خواہش نہیں ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیا دار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں......."

(ملفوظات جلد اول صفحہ 562)

چنانچہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے تحصیلداری کا امتحان 1884ء میں دیا تھا۔ اس وقت میں نے والد صاحب کو دعا کے لئے ایک رقعہ لکھا تو انہوں نے رقعہ پھینک دیا اور فرمایا "ہمیشہ دنیا داری ہی کے طالب ہوتے ہیں" جو آدمی رقعہ لے کر گیا تھا اس نے آ کر مجھے یہ واقعہ بتایا۔ اس کے بعد والد صاحب نے ایک شخص سے ذکر کیا کہ ہم نے تو سلطان احمد کا رقعہ پھینک دیا تھا کہ ایک دنیوی غرض اپنے مالک کے سامنے کیا پیش کروں.......... کہ الہام ہوا "پاس ہو جاوے گا"۔ مرزا سلطان احمد صاحب کہتے ہیں چنانچہ میں امتحان میں پاس ہو گیا۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 205 روایت نمبر 208)

یاد رہے کہ یہ انیسویں صدی کے اواخر کی بات ہے اور اُس زمانے میں برصغیر کے بڑے صاحب اثر اور رئیس خاندان اس بات کو فخر کا موجب سمجھتے تھے کہ ان کے خاندان کا کوئی فرد سرکاری ملازمت حاصل کر لے۔ تحصیل دار کا عہدہ تو بہت بڑی بات ہے اُس زمانے میں معمولی سرکاری ملازمت کے حصول کے لئے بھی ہر جائز و ناجائز طریق اختیار کیا جاتا تھا۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جب انٹرنس کا امتحان دیا تو ایک دوست نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور دعا کریں کہ میاں صاحب پاس ہو جاویں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"ہمیں تو ایسی باتوں کی طرف توجہ کرنے سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایسی باتوں کے لئے دعا نہیں کرتے۔ ہم کو نہ تو نوکریوں کی ضرورت ہے اور نہ ہمارا یہ منشاء ہے کہ امتحان اس غرض سے پاس کئے جاویں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ یہ علوم متعارفہ میں کسی قدر دستگاہ پیدا کر لیں جو خدمت دین میں کام آئے۔ پاس فیل سے تعلق نہیں اور نہ کوئی غرض"۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 318)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اسی طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمان کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام ہی ہوگا"۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 562-563)

پھر فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے کچھ مال چھوڑنا چاہیے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے مگر یہ خیال ان کو نہیں آتا کہ اولاد صالح ہو طالح نہ ہو"۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 443)

پھر فرمایا:

"اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اگر (اولاد) بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لئے چھوڑ جاؤ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی۔ اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہیں"۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 444)

پھر فرمایا:

"حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے" میں بچہ تھا، جوان ہوا، اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا "۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت کرتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو"۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 444)

حضرت اقدسؑ بچوں کی تربیت کے لئے یہ پسند فرماتے تھے کہ ان کی شادیاں اوائل بلوغت میں ہی کر دی جائیں۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ تحریر کرتے ہیں کہ:

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ حالات زمانہ کو مدنظر رکھ کر یہ پسند فرماتے تھے کہ بچوں کی شادی بدو شباب سے کچھ پہلے ہو جاوے تا کہ جب وہ زمانہ بلوغت میں قدم رکھیں اور ان کی زندگی میں ایک تغیر کا دور شروع ہو وہ اپنی رفیقہ زندگی اور مونسہ کو موجود پائیں۔ چنانچہ آپ نے تمام بچوں کی شادیاں چھوٹی عمر ہی میں کر دی تھیں گو ان کے رخصتانے زمانہ بلوغت میں ہوئے۔ حضرت المومنین کی روایت سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرزِ عمل کے متعلق حضور کا منشاء صاف کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ "حضرت صاحب نے تم بچوں کی شادیاں تو چھوٹی عمر میں کر دی تھیں مگر ان کا منشاء یہ تھا کہ زیادہ اختلاط نہ ہو تا کہ نشوونما میں کسی قسم کا نقص نہ پیدا ہو۔"

(سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 386-385)

بعض والدین اپنے بچوں کے ساتھ اس قدر شدید محبت رکھتے ہیں کہ اولاد ان کے لئے ابتلاء کا باعث بن جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضور فرماتے ہیں:

"اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیے۔ اس کی خاطر داری کرنی چاہیے۔ اس کی دلجوئی کرنی چاہیے۔ مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم حصہ 419)

پھر فرماتے ہیں:

"ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کوئی تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں"۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 307)

یہ صرف ایک زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ آپ کا عملی نمونہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ بچوں کی خبر گیری اور پرورش اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہو گی اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ گویا کوئی اور فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور خدا کے لئے اس کی ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدّ نظر ہے۔ آپ کی پلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی آپ اس کے علاج میں یوں دوا دوی کرتے کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے اور ایک دنیا دار دنیا کی عرف و اصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کر نہیں سکتا۔ مگر جب وہ مر گئی آپ یوں الگ ہوئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی۔"

(سیرت حضرت مسیح موعود مولفہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صفحہ 111,112 طبع دوم)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مبارک احمد بیمار ہوا آپ نے اس کی تیمارداری میں رات دن ایک کر دیئے اور ایک دنیا دار آپ کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ یقیناً یہ قیاس کرتا کہ اس شخص کے لئے اس بچے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں مگر جونہی مبارک احمد اپنے مولیٰ سے جا ملا آپ کا چہرہ ایسا بشاش اور مطمئن تھا گویا وہ عید کا دن تھا۔

(سیرت مسیح موعود مولفہ یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 239)

پھر مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

"عام طور پر اگر غور کیا جاوے تو وہ انسان جو ستر برس کے قریب ہو اور جس کا ہونہار نیک سعادت مند بچہ فوت ہو جاوے اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے مگر یہاں معاملہ ہی الگ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اس واقعہ کو ایسے جوش اور مزے سے بیان کرتے ہیں کہ الفاظ نہیں ملتے جو اس کیفیت کو ظاہر کیا جاوے۔ حضرت مسیح موعود خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ حضرت مسیح موعود خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ کے امتحان میں پورے اترے۔ سب سے بڑھ کر جو امر مسرت کا موجب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشی کا اظہار

فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود پر یہ وحی ہوئی ہے کہ ’خدا خوش ہوگیا‘۔‘‘

(سیرت مسیح موعود مولفہ یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 241-240)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبارک احمد کی وفات پر ہونے والے مذکورہ بالا الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’کل والا الہام کہ ’خدا خوش ہوگیا‘ ہم نے اپنی بیوی کو سنایا تو اس نے سن کر کہا کہ مجھے اس الہام سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مرجاتا تو میں پروانہ کرتی‘‘۔

(سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 246)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں بھی ذکر کردیا جائے کہ آپ کس طرح بچوں کی تربیت کرتی تھیں۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’حضرت ام المؤمنین علیہا السلام فرمایا کرتی تھیں کہ بڑے بچے کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر وہ ٹھیک راہ پر چلے گا تو آئندہ زیادہ محنت کی ضرورت نہیں چھوٹے خود ہی بڑے کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔

بچوں پر اعتماد کرکے تربیت کرنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی طریق تھا اور حضرت اماں جان کا بھی۔ مثلاً اگر کوئی بات ہمارے بچپن میں کسی کی ہوتی تو آپ بڑے وثوق سے کہتیں ’میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے‘ اور یہ بات ہمارے دلوں میں اتنی گڑ گئی تھی کہ مجھے بچپن کا اپنا تأثر یاد ہے کہ جھوٹ تو خیر ہم نے بولنا ہی نہ ہوا یہ بات ہمارے کرنے کی ہے ہی نہیں۔

یہی سلوک اور طرز عمل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ آپ کبھی بے اعتباری کی، شک کی بات نہ کرتے تھے۔ بچوں پر یقین رکھتے تھے۔ یعنی اعتماد ظاہر فرماتے تھے اور اس اعتماد کی شرم نہ تو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنے دیتی اور نہ کوئی بات آپ سے کبھی پوشیدہ رکھنے کو دل چاہتا۔ جو بات کہو آپ غور سے سنتے جیسے کسی بڑے معتبر آدمی کی سنتے ہیں۔

غرض بچہ کو نیک بات سنا دینا اور اس کے کاموں پر اس طرح سے نظر رکھنا کہ ہر وقت کی نکتہ چینی، شک وشبہ روک ٹوک تو نہ ہو مگر خبردار ضرور رہیں آپ۔ اور بچہ پر بڑی حد تک اعتبار کرکے اس پر خود اپنے افعال کی غیرت اور ذمہ داری پیدا کر دینا۔ کوئی بات ہو تو الگ سمجھا دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت ہر وقت کی برسرعام گھر کی جھڑکی سے بے غیرت بنانے کی۔

نیز حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں بچہ کو یونہی ہر وقت نہ کہو سنو مگر جب کہو تو ضرور وہ بات کرواکر چھوڑو تاکہ فرمانبرداری کی عادت پڑے۔ لیکن ہر وقت تنگ نہ کرو‘‘۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 59,60)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو بہت چھوٹی عمر میں حضرت اماں جانؓ نے لے لیا تھا اور آپ کو پالا ہی حضرت اماں جانؓ نے تھا۔ حضورؒ بیان فرماتے تھے اور یہ روایت خاکسار نے حضور سے کئی بار سنی ہے: حضرت اماں جانؓ ہمیشہ یتیم بچیاں پالتی تھیں اور ان کے کام نہلانا، دھلانا، کھانا کھلانا وغیرہ خود ہی کرتی تھیں۔ حضورؒ فرماتے تھے کہ میرے بہت بچپن کی بات ہے اسی طرح ایک بچی حضرت اماں جانؓ کے گھر رہنے کے لئے آئی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو اس کو بھی اماں جانؓ نے اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھایا۔ حضورؒ فرماتے تھے جب میں نے دیکھا کہ وہ بچی بھی دستر خوان پر ہے تو میں نے کہا کہ میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ حضور فرماتے تھے حضرت اماں جانؓ نے مجھے پیار سے سمجھایا لیکن میں ضد میں آگیا اور کھانے سے انکار کردیا۔ حضور کہتے تھے میرے انکار پر حضرت اماں جانؓ فرمانے لگیں کہ ٹھیک ہے تم کھانا نہیں کھانا چاہتے تو نہ کھاؤ۔

حضور بتایا کرتے تھے کہ اس کے بعد حضرت اماں جانؓ نے مجھے کھانے کے لئے نہ کہا۔ آخر جب بہت وقت گذر گیا اور مجھے بھوک نے بہت ستایا تو مجبوراً میں نے کھانے کے لئے کہا تو حضرت اماں جانؓ نے مجھے اسی بچی کے ساتھ بٹھا کر کھانا دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ہمیشہ بڑے پیار سے یہ واقعہ سناتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت اماں جانؓ کے اس طریق کی وجہ سے پھر ساری زندگی کسی غریب کو غریب سمجھ کر اس سے ملنے میں میری طبیعت میں کبھی روک پیدا نہ ہوئی۔

حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب رضی اللہ عنہ کا نام آپ نے سنا ہی ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کا وقف منظور فرمایا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ خلافت میں انگلستان میں بطور مبلغ تعینات ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے غالباً پہلے مبلغ تھے جن کا تقرر بیرون ملک ہوا تھا۔ آپ کی صاحبزادی امۃ الشافی سیال صاحبہ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے طریق تربیت پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ کہتی ہیں کہ میری والدہ وفات پا چکی تھیں اور میں اپنے ننھیال میں رہتی تھی۔ اپنی نانی کے ساتھ اماں جانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ باتیں کرتے کرتے اماں جانؓ نے مجھ سے پوچھا تمہارے کتنے بھائی ہیں۔ میں نے عرض کیا جی دو بھائی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا نہیں بیٹا تمہارے چار بھائی ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ امۃ الشافی صاحبہ کی والدہ کے دو بیٹے تھے جبکہ حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کے دوسری بیوی سے بھی دو بیٹے تھے اس طرح ان کے چار بھائی تھے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب امۃ الشافی صاحبہ کی عمر صرف پانچ سال تھی لیکن اتنی کم عمر میں بھی حضرت اماں جانؓ نے ان کی اصلاح کرنی ضروری سمجھی۔ وہ مزید بیان کرتی ہیں کہ آپؓ کے اس طرح سمجھانے سے پھر کبھی خیال بھی نہ آیا کہ دوسری والدہ سے ہمارے بھائی بہن سوتیلے ہیں۔ سگے سوتیلے کا فرق ہی پھر کبھی نہ کیا اور اماں جانؓ کی یہ نصیحت اس طرح دعا بن کر لگی کہ اگلی نسل میں بھی اسی طرح پیار ومحبت ہے۔

حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے انداز تربیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا مزید تحریر فرماتی ہیں:

’’اصولی تربیت میں مَیں نے اس عمر تک بہت مطالعہ عام وخاص لوگوں کا کرکے بھی حضرت والدہ صاحبہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ آپ نے دنیوی تعلیم نہیں پائی (بجز معمولی اردو خواندگی کے) مگر جو آپ کے اصول اخلاق وتربیت ہیں ان کو دیکھ کر میں نے یہی سمجھا ہے کہ خاص خدا کا فضل اور خدا کے مسیحؑ کی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب کہاں سے سیکھا؟

(۱) بچے پر ہمیشہ اعتبار اور بہت پختہ اعتبار ظاہر کرکے اس کو والدین کے اعتبار کی شرم اور لاج ڈال دینا یہ آپ کا بڑا اصول تربیت ہے۔

(۲) جھوٹ سے نفرت اور غیرت وغنا آپ کا اوّل سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی آپ ہمیشہ یہی فرماتی رہیں کہ بچہ میں یہ عادت ڈالو کہ وہ کہنا مان لے پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے تو کوئی ڈر نہیں جس وقت بھی روکا جائے گا باز آ جائے گا اور اصلاح ہوجائے گی۔ فرماتیں کہ اگر ایک بار تم نے کہنا ماننے کی پختہ عادت ڈال دی تو پھر ہمیشہ اصلاح کی امید ہے۔ یہی آپ نے ہم لوگوں کو سکھا رکھا تھا اور کبھی ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہم والدین کی عدم موجودگی کی حالت میں بھی ان کے منشاء کے خلاف کر سکتے ہیں

حضرت اماں اجان ہمیشہ فرماتی تھیں کہ ’میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے‘ اور یہی اعتبار تھا جو ہم کو جھوٹ سے بچاتا بلکہ زیادہ متنفر کرتا تھا۔

مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں پھر بھی آپ کا ایک خاص رعب تھا اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دنیا کے عام قاعدہ کے خلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے اور مجھے یاد ہے کہ حضور اقدسؑ سے حضرت والدہ صاحبہ کی بے حد محبت وقدر کرنے کی وجہ سے آپؑ کی قدر میرے دل میں اور بھی بڑھا کرتی تھی۔

بچوں کی تربیت کے متعلق ایک اصول آپ یہ بھی بیان فرمایا کرتی تھیں کہ پہلے بچے کی تربیت پر اپنا پورا زور لگاؤ دوسرے ان کا نمونہ دیکھ کر خود ہی ٹھیک ہوجائیں گے۔‘‘

(تحریرات مبارکہ صفحہ 320,321)

خدا تعالیٰ ہمیں حضور کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے حضور اور حضور کے تتبع میں حضرت اماں جان کے طریق تربیت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ہمت اور طاقت بخشے کہ ہم حضور کی منشاء کے مطابق اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرسکیں اور ہمارے بچے ہم سے بڑھ کر دین کی خدمت کرنے والے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے والوں میں سے ہوں۔ آمین!

❀❀❀

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خشوع وخضوع سے بھری ہوئی پاکیزہ نمازیں

مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی اور یاد الٰہی میری دولت ہے

(عبدالسمیع خان۔ ایڈیٹر روزنامہ الفضل، ربوہ)

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا اور اپنی جماعت کا شناختی نشان نماز کو قرار دیا ہے۔
(ظہور احمد موعود ص55)

اور فرمایا کہ تم پنجوقتہ نماز اور اخلاقی حالت سے شناخت کئے جاؤ گے۔
(مجموعہ اشتہارات جلد3 ص48)

حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ ارکان دین میں سب سے زیادہ زور نماز پر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ نمازیں سنوار کر پڑھا کرو۔(سیرت المہدی جلد3 ص126)اس معیار کو سب سے عمدگی اور بلندی سے حاصل کرنے والے خود حضرت مسیح موعودؑ ہیں۔ آپ کی ابتدائی زندگی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دلچسپیوں کا واحد محور نماز اور مساجد تھا۔ اور اگر خدا تعالیٰ آپ کو اس گوشہ گمنامی سے نکل کر توحید کا پرچم بلند کرنے کا حکم نہ دیتا تو آپ اسی طرح ساری عمر گزار دیتے دعویٰ ماموریت کے بعد تو آپ نے قیام نماز اور عبودیت الٰہی کے ایسے نمونے دکھائے جو رہتی دنیا تک مشعل راہ رہیں گے۔ آئیں آپ کی خلوت وجلوت کے کچھ نظارے ملاحظہ کرتے ہیں۔

مسجد سے فطری لگاو

آپ کی ابتدائی زندگی اس حدیث کا منظر پیش کرتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سات آدمی سایہ رحمت الٰہی کے نیچے ہوں گے ان میں سے ایک وہ ہوگا جس کا دل خانہ خدا سے اٹکا رہتا ہے۔
(صحیح بخاری کتاب الاذان باب من جلس فی مسجد حدیث 620)

حضرت مسیح موعودؑ کو شروع سے ہی نماز کے ساتھ گہرا تعلق اور ایک فطری لگاؤ تھا جو عمر کے آخر تک گویا ایک نشہ کی صورت میں آپؑ کے دل ودماغ پر طاری رہا۔ آپؑ کے ابتدائی سوانح میں یہ عجیب واقعہ ہے کہ جب آپؑ کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپؑ اپنی ہم سن لڑکی سے (جو بعد کو آپ سے بیاہی گئی) فرمایا کرتے تھے کہ دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے یہ فقرہ بظاہر نہایت مختصر ہے مگر اس سے عشق الٰہی کی ان لہروں کا پتہ چلتا ہے جو مافوق العادت رنگ میں شروع سے آپؑ کے وجود پر نازل ہو رہی تھیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے انہی فطری رجحانات کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

اَلْمَسْجِدُ مَکَانِیْ وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ۔ وَ ذِکْرُاللّٰہِ مَالِیْ وَخَلْقُ اللّٰہِ عَیَالِیْ فرماتے ہیں کہ اوائل ہی سے مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی، یاد الٰہی میری دولت ہے اور مخلوق خدا میرا عیال اور خاندان ہے۔
(تاریخ احمدیت جلد اول ص53)

قادیان کے قریب کے گاؤں کا ایک معمر ہندو جاٹ بیان کیا کرتا تھا کہ میں (حضرت) مرزا غلام احمد صاحب سے بیس سال بڑا ہوں۔ آپؑ کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے پاس میرا بہت آنا جانا تھا میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس مرزا غلام مرتضیٰ صاحب سے ملنے کے لئے آتا تھا تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا تھا کہ مرزا صاحب آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جواب دیتے تھے کہ ’’ہاں میرا دوسرا لڑکا غلام قادر سے چھوٹا ہے تو سہی پر وہ الگ ہی رہتا ہے‘‘............ پھر وہ کسی کو بھیج کر مرزا صاحب کو بلواتے تھے چنانچہ آپ آنکھیں نیچی کئے ہوئے آتے اور والد صاحب کے پاس ذرا فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور یہ عادت تھی کہ بایاں ہاتھ اکثر منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور کچھ نہ بولتے اور نہ کسی کی طرف دیکھتے۔ بڑے مرزا صاحب فرماتے ’’اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا‘‘۔ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ ہنس کر کہتے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں مقرر کروا دیتا ہوں۔ دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے۔
(تذکرۃ المہدی ص 299-300 از پیر سراج الحق نعمانی)

آپ کے خادم مرزا اسماعیل بیگ صاحب کی روایت ہے کہ کبھی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مجھے بلاتے اور دریافت کرتے کہ ’’سنا تیرا مرزا کیا کرتا ہے میں کہتا تھا کہ قرآن دیکھتے ہیں۔ اس پر وہ کہتے کہ کبھی سانس بھی لیتا ہے۔ پھر یہ پوچھتے کہ رات کو سوتا بھی ہے؟ میں جواب دیتا کہ ہاں سوتے بھی ہیں۔ اور اٹھ کر نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اس پر مرزا صاحب کہتے کہ اس نے سارے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں۔ میں اوروں سے کام لیتا ہوں۔ دوسرا بھائی کیسا لائق ہے مگر وہ معذور ہے‘‘۔
(تاریخ احمدیت جلد1 ص65)

حضرت مسیح موعودؑ کا مطالعہ میں یہ انہماک اور دلی شغف حضورؑ کے والد صاحب کی وفات تک بدستور قائم رہا۔ چنانچہ 1875ء، 1876ء کے زمانہ کے متعلق پنڈت دیوی رام کی شہادت ہے کہ آپ ہندو مذہب اور عیسائی مذہب کی کتب اور اخبارات کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے۔ اور آپ کے اردگرد کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔ انہیں دنیا کی اشیاء میں سے مذہب کے ساتھ محبت تھی۔ مرزا صاحب مسجد یا حجرہ میں رہتے تھے۔ آپ کے والد صاحب آپ کو کہتے تھے کہ غلام احمد تم کو پتہ نہیں کہ سورج کب چڑھتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے اور بیٹھتے ہوئے وقت کا پتہ نہیں جب میں دیکھتا ہوں چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا ہے‘‘۔
(سیرت المہدی جلد3 ص182,178)

پنڈت دیوی رام جو 1875ء میں نائب مدرس ہو کر قادیان گیا بیان کرتا ہے۔ آپ کی عمر اس وقت 30,25 سال کے درمیان تھی۔ مرزا صاحب پانچ وقت نماز کے عادی تھے۔ روزہ رکھنے کے عادی تھے اور خوش اخلاق متقی اور پرہیز گار تھے۔ (سیرۃ المہدی جلد3 ص179)

اس دور میں آپ حافظ معین الدین کے خرچ کے اس لئے متکفل ہو گئے اور انہیں اپنے ساتھ رکھا کہ نماز باجماعت ادا کر لیا کریں گے۔ جب حضرت حافظ معین الدین صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کی عزت ملی اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی۔ حافظ صاحب نہایت سقیم حالت میں تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ان کو اس حالت میں دیکھا۔ اور اپنے ساتھ بلا کر لے گئے اور کھانا کھلایا اور پھر کہا کہ حافظ تو میرے پاس رہا کر۔ حافظ صاحب کے لئے یہ دعوت غیر متوقع تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان چونکہ نہایت ممتاز اور پرشوکت خاندان تھا اور کسی کو ان کے سامنے کلام کرنے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی حافظ صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی اس مہربانی اور شفقت کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور بڑی شکر گزاری سے آپ کی خدمت میں رہنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حافظ صاحب نے سمجھا کہ شاید مجھے کوئی کام کرنا پڑے۔ اس نے کہا کہ مرزا جی! (اس وقت ایسا ہی طریق خطاب تھا) مجھ سے کوئی کام تو ہو نہیں سکے گا۔ کیونکہ میں معذور ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ حافظ! کام تم نے کیا کرنا ہے۔ اکٹھے نماز پڑھ لیا کریں گے۔ اور تو قرآن شریف یاد کیا کر۔ دراصل حضرت مسیح موعودؑ کی غرض یہ تھی کہ باجماعت نماز کے لئے ایک انتظام ہو جائے۔ اس سے حضرت مسیح موعودؑ کے اس جوش عبادت کا بھی پتہ لگتا ہے جو باجماعت نماز کا آپ کے دل میں تھا کہ حضرت حافظ صاحب کو کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت سے بے فکری ہوئی اور حضرت کی صحبت پاک میں رہنے کی عزت ملی۔
(اصحاب احمد جلد13 ص288,287)

آپ کی سیر وتفریح بھی مسجد سے وابستہ تھی۔ عموماً مسجد میں ہی ٹہلتے رہتے اور محو ہو کر اتنا ٹہلتے کہ جس زمین پر ٹہلتے وہ دب دب کر باقی زمین سے متمیز ہو جاتی۔
(سیرت مسیح موعود از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ص69)

مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال کی چشم دید شہادت ہے کہ:

’’قریباً 1872ء کا ذکر ہے میں چھوٹا تھا مرزا نظام الدین صاحب وغیرہ میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ میں عام طور پر حضرت مرزا صاحب کے والد صاحب کے گھر بوجہ رشتہ داری آتا جاتا تھا۔ میں ان کے پاس عام طور پر رہتا تھا مگر حضرت مرزا صاحب کی گوشہ نشینی کی وجہ سے میں یہی سمجھتا تھا کہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا ایک ہی لڑکا غلام قادر ہے۔ مگر مسجد میں میں مرزا صاحب کو بھی دیکھتا۔ میر ناصر نواب صاحب آیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ اپنے مکان میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ دوسرے دن میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ کر گھر میں تشریف لے جا رہے ہیں میں آپ کے والد صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ میں بھی جلدی سے اٹھ کر آپ کی طرف گیا۔ آپ اپنے کمرہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے لگے تھے کہ میں بھی جا پہنچا۔ آپ نے دروازہ کھول دیا اور دریافت کیا کہ کیا کام ہے؟ میں نے کہا

میں ملنا چاہتا ہوں۔آپ نے مجھے وہاں بٹھایا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ لنگروال سے۔اس کے بعد مجھے آپ کی واقفیت ہوگئی۔آپ ایک بالا خانہ پر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔اور گھر سے جب روٹی آتی تو اس کی ایک کھڑکی سے بذریعہ چھینکا روٹی اوپر لے لیتے۔ اس کے بعد آپ سے مجھے انس ہوگیا اور گھر سے آپ کی روٹی میں لایا کرتا''۔

''میں آپ کے پاس ہی رہتا تھا اور اسی کمرہ میں سوتا تھا۔آپ نے استخارہ بھی سکھایا۔ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بعد گفتگو نہیں کرنی ہوتی تھی۔صبح کو جو خواب آتی میں وہ آپ کو بتلا دیتا۔آپ کے پاس فارسی کا ایک تعبیر نامہ بھی تھا آپ اسے دیکھتے تھے۔آپ نے مجھے یہ بھی کہا کہ دونوں گھروں میں (مرزا امام دین اور آپ کا مکان مراد تھا) استخارہ کا طریق بتلادو۔اور اس طریق سے وہ سویا کریں۔اور یہ بھی آپ نے کہا تھا کہ صبح جا کر ان کی خوابیں سنا کرو............۔

آپ مسجد میں فرض نماز ادا کرتے۔سنتیں اور نوافل مکان پر ہی ادا کرتے تھے عشاء کی نماز کے بعد آپ سو جاتے تھے اور نصف رات کے بعد آپ جاگ پڑتے اور نفل ادا کرتے۔اس کے بعد قرآن مجید پڑھنا۔مٹی کا دیا آپ جلاتے تھے۔ تلاوت فجر کی اذان تک کرتے۔جس کمرہ میں آپ کی رہائش تھی وہ چھوٹا سا تھا اس میں ایک چارپائی اور ایک تخت پوش تھا۔چارپائی تو آپ نے مجھے دی ہوئی تھی اور خود تخت پوش پر سوتے تھے۔فجر کی اذان کے وقت آپ پانی کے ہلکے ہلکے چھینٹوں سے مجھے جگاتے تھے۔ایک دفعہ میں نے دریافت کیا کہ حضورؑ مجھے ویسے ہی کیوں نہیں جگا دیتے۔ آپ نے فرمایا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا اس سنت پر میں کام کرتا ہوں تا کہ جاگنے میں تکلیف محسوس نہ ہو۔نماز فجر کے بعد آپ واپس آ کر کچھ عرصہ سو جاتے تھے کیونکہ رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذرتا تھا۔

(تاریخ احمدیت جلد اول ص121,120)

حضرت میر ناصر نواب صاحب اپنی اہلیہ کے علاج کی غرض سے 1876ء کے اوائل میں قادیان آئے اور حضرت مسیح موعودؑ کے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب سے علاج کراتے رہے۔اگلے سال 1877ء میں حضرت میر صاحب کی مرزا غلام قادر مرحوم کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعودؑ سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کے بیان کے مطابق یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت اقدسؑ ''براہین احمدیہ'' لکھ رہے تھے۔حضرت میر صاحب کے زیادہ مراسم گو آپ کے بڑے بھائی سے تھے لیکن ابتدائی ملاقات ہی سے آپ کے دل پر حضرت مسیح موعودؑ کی تقویٰ شعاری، عبادت اور ریاضت اور گوشہ گزینی نقش ہوگئی جس کا کبھی کبھی گھر میں آ کر اظہار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ''مرزا غلام قادر کا چھوٹا بھائی بہت نیک اور متقی ہے'' چند ماہ بعد ان کی تبدیلی قادیان سے لاہور میں ہوگئی تو وہ چند روز کے لئے اپنے اہل خانہ کو حضورؑ کے مشورہ کے احترام میں بے تامل آپ ہی کے ہاں چھوڑ گئے اور جب وہاں مکان کا بندوبست ہوگیا تو پھر انہیں لے گئے۔ان کا کہنا ہے کہ ''میں نے اپنے گھر والوں سے سنا کہ جب تک میرے گھر کے لوگ مرزا صاحب کے گھر میں رہے مرزا صاحب کبھی گھر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ باہر کے مکان میں رہے۔اس قدر ان کو میری عزت کا خیال تھا۔وہ بھی عجب وقت تھا حضرت صاحب گوشہ نشین تھے، عبادت اور تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔لالہ شرمپت اور ملاوامل کبھی کبھی حضرت صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور حضرت صاحب کے کشف اور الہام سنا کرتے تھے بلکہ کئی کشوف اور الہاموں کے پورے ہونے کے گواہ بھی ہیں۔اس وقت یہ سچے اور نرم دل تھے۔

حضرت میر صاحب ابتداء قادیان میں رہائش پذیر ہوئے تو انہیں حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اکثر نماز پڑھنے کا موقعہ ملتا اور وہ نماز کے بعد حضورؑ سے علمی اور فقہی مسائل پر بھی مذاکرہ کیا کرتے تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول ص131)

وضو اور طہارت

نماز کا بڑا گہرا تعلق ظاہری و باطنی پاکیزگی سے ہے چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے معمولات اور عادت میں یہ بات داخل تھی کہ آپ ہمیشہ باوضو رہتے حضرت اماں جان روایت کرتی ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ عام طور پر ہروقت باوضو رہتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد اول ص2)

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ ہروقت باوضو رہتے۔رفع حاجت سے فارغ ہو کر آتے تھے تو وضو کر لیتے تھے سوائے اس کے کہ بیماری یا کسی اور وجہ سے رک جاویں۔

(بحوالہ الفضل 27 جون 1998 ص3)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ گواہی دیتے ہیں کہ:

مختلف سفروں کے دوران خود میں نے بھی اس امر کا مشاہدہ کیا کہ آپ جب کبھی پیشاب یا رفع حاجت کر کے آتے تو وضو کر لیتے تھے۔(سیرت مسیح موعود ص70)

حضورؑ سردیوں میں عام طور پر گرم پانی سے وضو کرتے تھے۔

(سیرت مسیح موعود ص345)

آپ نماز کے لئے وضو ہمیشہ گھر میں کر کے جایا کرتے تھے۔

(الفضل 3 جنوری 1931ء)

اذان نماز

حضرا ذانت میاں عبداللہ سنوری صاحب بیان کرتے ہیں کہ اوائل میں حضرت مسیح موعودؑ خود ہی اذان دیا کرتے تھے اور خود ہی نماز میں امام ہوا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد اول ص162)

پھر فرماتے ہیں:۔

دوسری شادی سے قبل حضورؑ دن کو مسجد مبارک کے حجرہ میں اور رات کو مسجد مبارک کی چھت پر قیام فرمایا کرتے تھے اور یہ عاجز بھی اسی جگہ روز و شب رہا کرتا تھا ان ہی ایام میں حضرت اقدس مسیح موعود اذان بھی خود ہی دیا کرتے تھے اور جماعت بھی آپ ہی کرایا کرتے تھے صرف دو تین مقتدی ہوا کرتے تھے۔ایک یہ عاجز اور ایک حافظ حامد علی صاحب اور ایک آدھ کوئی اور۔

(سیرت مسیح موعود ص31)

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ بیان کرتے ہیں:

''مبارک باوجود اپنی پہلی تنگی کے ہم پر فراخ رہا کرتی تھی۔جس میں بارہا حضرت مسیح موعودؑ تن تنہاء نماز کے لئے تشریف لے آیا کرتے تھے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ باوجود انتظار کے جب اور کوئی نہ پہنچا تو حضورؑ نے کسی کو بلوا کر اذان کہلوائی۔ بلکہ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ حضورؑ نے خود بھی اذان دی حضورؑ کی آواز گو ہلکی تھی مگر نہایت دلکش اور سریلی آواز تھی جس میں لحن داؤدی کی جھلک اور گویا نفخ صور کا سماں بندھ رہا تھا۔''

(اصحاب احمد جلد 9 ص193)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ بیان فرماتے ہیں:

جب حضرت اقدس مسیح موعودؑ نماز پڑھتے خواہ مسجد میں یا مکان میں یا جنگل میں اذان ضرور کہلواتے۔ حالانکہ لودھیانہ میں جس مکان میں حضرت کا قیام تھا اس کے قریب ہی مسجد تھی اور اس مسجد میں برابر اذان ہوتی تھی لیکن پھر بھی آپ اذان نماز کے وقت دلوا لیتے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضورؑ مسجد میں اذان ہوتی ہے اور اس کی برابر آواز یہاں اس مکان پر پہنچتی ہے وہی اذان کافی ہے حضرت اقدسؑ نے فرمایا نہیں اذان ضرور دو۔ جہاں نماز ہو وہاں......ضروری ہے۔

(تذکرۃ المہدی ص70)

حضرت میاں امام الدین سیکھوانی بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں حافظ معین الدین عرف منا موذن مقرر تھا۔اور کچھ وقت احمد نور کابلی بھی موذن رہے ہیں۔اور میں بھی کچھ عرصہ اذان دیتا رہا ہوں۔اور دوسرے دوست بھی بعض وقت اذان دیتے تھے۔گویا اس وقت موذن کافی تھے۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ دو موذن ایک ہی وقت میں اذان دینے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ایک روز ایک شخص نے اذان دینی شروع کی۔تو حافظ معین الدین نے بھی شروع کر دی۔ پھر حافظ صاحب ہی اذان دیتے رہے اور دوسرا شخص خاموش ہوگیا۔اس وقت شوق کی وجہ سے موذنوں میں بھی جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔ایک کہتا تھا کہ میں نے اذان دینی ہے اور دوسرا کہتا تھا میں نے دینی ہے۔ بعض وقت مولوی عبدالکریم صاحب اذان دیدیا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص284)

نماز باجماعت کا قیام

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

نمازوں کے اوقات کی پابندی کا آپ پورا خیال رکھتے تھے۔ پانچوں وقت کی نماز کے واسطے مسجد میں تشریف لاتے تھے مگر وضو ہمیشہ گھر میں کر کے مسجد جاتے تھے۔ جمعہ کے دن پہلی سنتیں بھی گھر میں پڑھ کر مسجد تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب تک مسجد مبارک تیار نہیں ہوئی۔آپ سب نمازوں کے واسطے بڑی مسجد اقصیٰ کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضورؑ کے دعویٰ مسیحیت کے ایام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

میں آپ کی خدمت میں تین مہینے تک رہا اس زمانہ میں حضرت اقدسؑ سخت بیمار تھے اور نماز باجماعت کا اس حالت بیماری اور ضعف میں نہایت التزام رکھتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں میں 1882ء سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔۔تب سے وفات کے کچھ ماہ پیشتر تک حاضر خدمت رہا ہمیشہ نماز باجماعت کا حضرت کو پابند پایا۔(تذکرۃ المہدی ص70,69)

حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت مسیح موعودؑ مسجد

مبارک میں نماز صبح کے وقت کچھ پہلے تشریف لے آئے ابھی کوئی روشنی نہ ہوئی تھی۔ اس وقت آپ مسجد کے اندر اندھیرے میں ہی بیٹھے رہے۔ پھر جب ایک شخص نے آکر روشنی کی تو فرمانے لگے کہ دیکھو روشنی کے آگے ظلمت کس طرح بھاگتی ہے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 284)

صف اول میں

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب بیان کرتے ہیں کہ قدیم مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعودؑ نماز جماعت میں ہمیشہ پہلی صف کے دائیں طرف دیوار کے ساتھ کھڑے ہوا کرتے تھے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے آج کل موجودہ مسجد مبارک کی دوسری صف شروع ہوتی ہے۔ یعنی مسجد الفکر کی کوٹھری کے ساتھ ہی مغربی طرف۔ امام اگلے حجرہ میں کھڑا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد کی توسیع ہوگئی یہاں بھی آپ دوسرے مقتدیوں سے آگے امام کے پاس ہی کھڑے ہوتے رہے مسجد اقصیٰ میں جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر آپ صف اول میں عین امام کے پیچھے کھڑے ہوا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 268)

سفروں میں اہتمام نماز

حضرت مسیح موعودؑ کو دعویٰ سے قبل اور دعویٰ کے بعد بھی بار ہا مختلف مصالح کیلئے سفر کرنے پڑے مگر ان میں بھی آپ نماز کا بھرپور اہتمام کرتے۔

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ نے بیان کیا کہ:

''حضرت مسیح موعودؑ کے ملازم غفار کا کام اتنا ہی تھا کہ جب آپ مقدمات کے لئے سفر کرتے تو وہ ساتھ ہوتا اور لوٹا اور مصلّی اس کے پاس ہوتا۔ ان دنوں آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو بہت کم سوتے اور اکثر حصہ جاگتے اور رات بھر نہایت رقت آمیز لہجہ میں گنگناتے رہتے''

(شمائل احمد ص 28)

حضرت بھائی محمود احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں کرم دین والا مقدمہ گورداسپور میں دائر تھا۔ عموماً حضرت اقدسؑ مقدمہ کی تاریخوں پر قادیان سے علی الصبح روانہ ہوتے تھے اور نماز فجر راستہ میں ہی حضرت مولوی فضل الدین صاحب بھیروی کی امامت میں ادا فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 31)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

(غالباً 1903ء) ایک سفر میں جبکہ ہم چند خدام حضرت مسیح موعودؑ کے ہمراہ قادیان سے گورداسپور جا رہے تھے۔ اور قادیان سے بہت سویرے ہم سوار ہوئے تھے۔ نماز فجر کے وقت نہر پر پہنچے۔ اور وہاں نماز فجر ادا کی گئی اور حضورؑ کے فرمانے سے عاجز راقم پیش امام ہوا۔ پانچ سات آدمی ساتھ تھے۔

(ذکر حبیب ص 110)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں: (غالباً 1903ء) ایک دفعہ مقدمہ کرم دین میں جب کہ حضرت صاحب کمرہ عدالت میں بہ سبب ساعت مقدمہ تشریف فرما تھے۔ نماز ظہر کا وقت گزر گیا۔ اور نماز عصر کا وقت بھی تنگ ہوگیا۔ تب حضورؑ نے عدالت سے نماز پڑھنے کی اجازت چاہی اور باہر آکر برآمدے میں ہی اکیلے ہی ہر دو نمازیں جمع کرکے پڑھیں۔

(ذکر حبیب ص 110)

میر عنایت علی شاہ صاحب لودھیانوی بیان کرتے ہیں کہ جب اول ہی اول حضورؑ اقدس لدھیانہ تشریف لائے تھے تو صرف تین آدمی ہمراہ تھے۔ میاں جان محمد صاحب وحافظ حامد علی صاحب اور لالہ ملاوامل صاحب غالباً تین روز حضورؑ لدھیانہ میں ٹھہرے ایک روز حضورؑ بہت سے احباب کے ساتھ سیر کو تشریف لے گئے۔ خاکسار بھی ہمراہ تھا راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ حضورؑ نے وہیں پر مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ (سیرت المہدی جلد 3 ص 34)

نماز کو مقدم رکھا

آپ کو مقدمات کے لئے کئی سفر کرنے پڑے مگر مقدمات خواہ کتنے پیچیدہ اہم اور آپ کی ذات یا خاندان کے لئے دوررس نتائج کے حامل ہوتے آپ نماز کی ادائیگی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ریکارڈ ہے کہ آپ نے ان مقدمات کے دوران میں کبھی کوئی نماز قضاء نہیں ہونے دی۔ عین کچہری میں نماز کا وقت آتا تو اس کمال محویت اور ذوق شوق سے مصروف نماز ہو جاتے کہ گویا آپ صرف نماز پڑھنے کے لئے آئے ہیں کوئی اور کام آپ کے مدنظر نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے عجز و نیاز کر رہے ہوتے اور مقدمہ میں طلبی ہو جاتی مگر آپ کے استغراق، توکل علی اللہ اور حضور قلب کا یہ عالم تھا کہ جب تک مولائے حقیقی کے آستانہ پر جی بھر کر الحاح وزاری نہ کر لیتے اس کے دربار سے واپسی کا خیال تک نہ لاتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہوگیا اور میں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی مگر میں نماز میں تھا فریق ثانی پیش ہوگیا اور اس نے یک طرفہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور بہت زور اس بات پر دیا۔ مگر عدالت نے پرواہ نہ کی اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا اور مجھے ڈگری دے دی۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے کہا میں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں''۔

(حیات احمد ص 74)

عدالت سے غیر حاضری کے باوجود آپ کے حق میں فیصلہ ہو جانا ایک بھاری الٰہی نشان تھا جو آپ کے کمال درجہ انقطاع وابتہال کے نتیجہ میں نمودار ہوا۔

سر جیمز ولسن فنانشل کمشنر پنجاب ایک روزہ دورہ پر 21 مارچ 1908ء کو صبح گیارہ بجے قادیان آئے۔ ان کے ہمراہ ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور مہتمم بندوبست اور پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھے۔ جماعت کے ایک وفد نے ان کا استقبال کیا۔

اثنائے گفتگو میں فنانشل کمشنر صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ سے ملاقات کے لئے خواہش کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ حضورؑ اپنے بعض خدام کے ساتھ شام کے پانچ بجے تشریف لے گئے۔ اس وقت عجب نظارہ تھا کیمپ کے اردگرد مخلوق خدا کا ایک تانتا بندھا تھا فنانشل کمشنر صاحب نہایت اخلاق واکرام سے احتراماً آگے آئے اور اپنے خیمہ کے دروازہ پر حضورؑ کا شایان شان استقبال کیا۔ حضرت اقدسؑ اور دوسرے احباب کرسیوں پر بیٹھ گئے اور نہایت اچھے ماحول میں سلسلہ کلام شروع ہوا۔ حضورؑ پون گھنٹہ تک دین کی خوبیوں اور اپنے سلسلہ کے اغراض ومقاصد مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے۔ فنانشل کمشنر صاحب حضورؑ کی ملاقات پر بہت ہی خوش ہوئے۔ ازاں بعد حضورؑ واپس تشریف لے آئے۔ رستہ میں حضورؑ نے خود ہی بتایا ہم نے خوب کھول کھول کر فنانشل کمشنر کو دین کی خوبیاں سنائیں اور اپنی طرف سے حجت پوری کر دی۔

فنانشل کمشنر نے اور بھی باتیں کرنا چاہیں اور دنیاوی باتیں تھیں۔ میں نے کہا کہ آپ دنیاوی حاکم ہیں خدا نے ہمیں دین کے لئے روحانی حاکم بنایا ہے جس طرح آپ کے وقت کاموں کے مقرر ہیں۔ اسی طرح ہمارے بھی کام مقرر ہیں اب ہماری نماز کا وقت ہوگیا۔ ہم کھڑے ہوگئے۔ فنانشل کمشنر بھی کھڑے ہوگئے اور خوش خوش ہمارے ساتھ خیمہ تک باہر آئے اور ٹوپی اتار کر سلام کیا اور ہم چلے آئے۔

(سیرت احمد از حضرت مولوی قدرت اللہ سنوری صاحب ص 57)

جن کو امامت کی سعادت ملی

حدیث نبویؐ میں اشارہ تھا کہ مسیح موعود عام طور پر خود نماز نہیں پڑھائے گا۔

چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں کہ بالعموم خود امامت کم کرواتے اور جو بھی دیندار شخص پاس حاضر ہوتا تھا اسے امامت کے لئے آگے کر دیتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 3 ص 42)

آغاز میں مختلف لوگ نماز پڑھاتے رہے لیکن جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی تشریف لائے تو وہ امام نماز مقرر ہوئے

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں: اور سنا گیا ہے کہ حضرت نے دراصل حضرت مولوی نور الدینؓ صاحب کو امام مقرر کیا تھا۔ لیکن مولوی صاحب نے مولوی عبدالکریمؓ صاحب کو کروا دیا۔ چنانچہ اپنی وفات تک جو 1905ء میں ہوئی مولوی عبدالکریم صاحبؓ ہی امام رہے۔ (سیرت المہدی جلد اول ص 162)

ان کے بعد عام طور پر حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ نمازیں پڑھاتے رہے اور خطبات جمعہ دیتے رہے۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز تو مولوی عبدالکریم صاحب پڑھاتے تھے۔ مگر عیدین کی نماز ہمیشہ حضرت مولوی نور الدینؓ صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ اور جنازوں کی نماز عموماً حضرت مسیح موعودؑ خود پڑھاتے تھے''۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 147)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ سول سرجن کی چشم دید شہادت کے مطابق مندرجہ ذیل خوش نصیب بزرگوں کے پیچھے حضرت مسیح موعودؑ نے نماز باجماعت پڑھی ہے۔

1۔ حضرت مولوی نور الدینؓ صاحب خلیفہ اول
2۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ
3۔ حضرت حکیم فضل الدین صاحب مرحوم بھیرویؓ
4۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ
5۔ حضرت مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانویؓ
6۔ حضرت بھائی شیخ عبدالرحیم صاحبؓ
7۔ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ
8۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ
9۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہویؓ
10۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب یہ روایت سپرد قرطاس کرنے کے بعد تحریر فرماتے

ہیں:

''دوسری روایتوں سے قاضی امیر حسین صاحب اور میاں جان محمد کے پیچھے بھی آپ کا نماز پڑھنا ثابت ہے''۔

(سیرت المہدی جلد سوم صفحہ 42 روایت 550 طبع اول اپریل 1939ء قادیان)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

مقدمہ کرم دین کے ایام میں جب کہ دوسرے بزرگ ساتھ نہ ہوتے تھے کئی ماہ تک یہ عاجز پیش امام نماز ہوتا رہا۔ لیکن جنازوں کی نماز حضورؑ خود پڑھایا کرتے تھے۔

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت حافظ نور محمد صاحب بہت ابتدائی زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان دنوں میں حضرت صاحب بعد نماز عصر سیر کے لئے باہر تشریف لیجایا کرتے تھے اور کوس کوس دو دو کوس نکل جایا کرتے تھے بعض وقت مغرب کی نماز باہر ہی پڑھ لیا کرتے تھے اور مجھے امام کر لیتے تھے اور آپ خود مقتدی ہو جاتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 2 ص 32)

حضرت خلیفہ نور الدین صاحب جمونی نے بھی ایک دفعہ حضورؑ کے حکم پر نماز پڑھائی اور حضورؑ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (حیات احمد جلد سوم ص 123)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور امام الصلوٰۃ

حضرت میاں عبداللہ سنوری صاحب بیان کرتے ہیں کہ اوائل میں حضرت مسیح موعود خود ہی امامت کرایا کرتے تھے

(سیرت المہدی جلد اول ص 162)

حضرت میاں محمد خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں حضرت صاحب مسجد مبارک میں خود نماز پڑھایا کرتے تھے ایک آدمی آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا اور پیچھے صرف چار پانچ مقتدی کھڑے ہو سکتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 35)

حضرت میر عنایت علی صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضورؑ اول اول لدھیانہ تشریف لائے تھے تو صبح کی نماز خود پڑھایا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 34)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

میں کئی کئی ماہ متواتر حضورؑ کی خدمت میں ٹھہرا کرتا تھا اور نماز کے اندر صرف تین یا چار آدمی ہوتے تھے تب بھی ہمیشہ نہیں لیکن گاہے گاہے حضورؑ خود نماز پڑھایا کرتے تھے۔ دعویٰ کے بعد بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ حضورؑ نے خود نماز پڑھائی ہو۔ (بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت بھائی محمود احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مقدمہ کے دوران حضورؑ صبح سویرے قادیان سے روانہ ہوئے۔ بٹراں کی نہر کے قریب نماز فجر کا جو وقت ہوا۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ نماز فجر کا وقت ہو گیا ہے یہیں نماز پڑھ لی جائے۔ احباب نے عرض کی کہ حضورؑ حکیم مولوی فضل الدین صاحب آگے نکل گئے ہیں اور خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب ساتھ ہیں۔ حضورؑ خاموش ہو گئے اور خود ہی امامت فرمائی۔ پہلی رکعت فرض میں آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص تلاوت فرمائی۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 31)

حضرت قاضی امیر حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے میں مغرب کی نماز میں آیا تو دیکھا کہ آگے حضرت مسیح موعودؑ خود نماز پڑھا رہے تھے قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھیں مگر سوز و درد سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔

(سیرت المہدی جلد اول ص 23)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

1899ء میں غالباً ٹیکس کا مقدمہ تھا جب کہ حضرت مسیح موعودؑ نے نماز ظہر گورداسپور کے احاطہ کچہری میں بعض لوگوں کی درخواست پر خود پیش امام ہو کر پڑھائی۔ اور بہت سے لوگ دوڑ دوڑ کر اس نماز میں شامل ہوئے۔

(ذکر حبیب ص 63)

حضرت خلیفہؓ صاحب جمونی فرماتے ہیں:

ایک دفعہ جب حضورؑ گورداسپور تشریف لے گئے تو میں نے ایک بار حضورؑ کے حکم سے نماز پڑھائی اور حضورؑ نے میری اقتداء میں نماز پڑھی ایک دفعہ میں نے بھی گورداسپور میں حضورؑ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (حیات احمد جلد سوم ص 123)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

میرے بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؑ نے مغرب وعشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں۔ میں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔

(بحوالہ ماہنامہ الفرقان۔ ستمبر/اکتوبر 1961ء ص 49)

حضرت صوفی غلام محمد صاحب سکنہ امرتسر پرانے احمدی تھے۔ انہوں نے بتلایا کہ ایک دفعہ میں اپنے طالب علمی کے زمانہ میں (جب بیعت ابھی شروع نہیں ہوئی تھی) حضرت مسیح موعودؑ کو قادیان آکر ملا اور مسجد میں نماز پڑھی۔ حضرت مسیح موعود امام تھے اور صرف میں مقتدی۔ کوئی تیسرا آدمی نہ تھا۔ (اصحاب احمد جلد اول ص 101)

حضرت اماں جان بیان کرتی ہیں:

''حضرت مسیح موعودؑ جب کبھی مغرب کی نماز گھر میں پڑھاتے تھے تو اکثر سورہ یوسف کی وہ آیات پڑھتے تھے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں **انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ**۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آواز میں بہت سوز اور درد تھا اور آپ کی قراءت لہردار ہوتی تھی۔

(سیرت المہدی جلد اول ص 68)

حضرت حافظ نور محمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ ہمارے گاؤں فیض اللہ چک میں تشریف لے گئے اور ہماری متصلہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور بوقت مغرب بڑی مسجد میں لوگوں کے اصرار سے جا کر نماز پڑھائی اس کے بعد آپ موضع تھہ غلام نبی میں تشریف لے گئے کیونکہ وہاں آپ کی دعوت تھی۔

(سیرت المہدی جلد 2 ص 36)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

جو نماز آپ لوگوں کے سامنے پڑھتے تھے اس کو آپ چنداں لمبا نہ کرتے تھے۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی وفات سے چند روز قبل ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے مسجد مبارک میں ایک نماز کی امامت کرائی۔ نماز کے ختم ہونے پر فوراً مولوی عبداللہ صاحب تبسم کرتے ہوئے آگے بڑھے اور فرمانے لگے کہ آپ نے بعینہ ایسی مختصر نماز پڑھائی جیسا کہ ابتدائی زمانوں میں کبھی حضرت مسیح موعودؑ پڑھایا کرتے تھے جبکہ ہنوز آپ کا کچھ دعویٰ نہ تھا اور آپ براہین احمدیہ لکھا کرتے تھے۔

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

ایک یادگار اور تاریخی تقریب

حضرت منشی محمد افضل صاحب مدیر ''البدر'' قادیان کے قلم سے گورداسپور میں 21 جولائی 1904ء کی ایک مبارک تقریب کا وجد آفرین اور روح پرور منظر یوں ہے:

''ایک بجے کا وقت تھا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے چند ایک موجودہ خدام کو ارشاد فرمایا۔ کہ نماز پڑھ لی جاوے۔ سب نے وضو کیا۔ نماز کے لئے چٹائیاں بچھیں۔ حاضرین منتظر تھے کہ حسب دستور سابقہ حضورؑ کسی حواری کو امامت کے لئے ارشاد فرماویں گے کہ اسی اثناء میں آگے بڑھے۔ اور اقامت کہے جانے کے بعد آپ نے نماز ظہر اور عصر قصر اور جمع کر کے پڑھائیں حضورؑ کو امام اور خود کو مقتدی پا کر حاضرین کے دل باغ باغ تھے۔ ان مقتدیوں میں کئی ایسے احباب تھے جن کی ایک عرصہ سے آرزو تھی کہ کبھی حضرت مسیح موعودؑ نماز میں خود امام ہوں اور ہم مقتدی ان کی امید آج برآئی اور مجھ پر بھی یہ راز کھلا۔ کہ امام نماز کی جس قدر توجہ الی اللہ زیادہ ہوتی ہے۔ اسی قدر جذب قلوب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چونکہ خدا کے فضل سے اس مبارک نماز میں میں خود بھی شریک تھا اس لئے دیکھا گیا کہ بے اختیار دلوں پر عاجزی اور فروتنی اور حقیقی عجز وانکسار غالب آتا جاتا تھا۔ اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف کھچا جاتا تھا۔ اور اندر سے ایک آواز آتی تھی کہ دعا مانگو۔ قلب رقیق ہو کر پانی کی طرح بہہ بہہ جاتا تھا۔ اور اس پانی کو آنکھوں کے سوا کوئی راستہ نکلنے کا نہ ملتا تھا اور اس مبارک وقت کے ہاتھ آنے پر شکریہ الٰہی میں دل ہرگز گوارا نہ کرتا تھا کہ سجدہ سے سر اٹھایا جاوے۔ غرضیکہ عجیب کیفیت تھی۔ اور ایک متقی امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے جو جو بخششیں اور رحمت ازروئے حدیث شریف مقتدیوں کے شامل حال ہوتی ہیں ان کا ثبوت دست بدست مل رہا تھا۔

اس تاریخی نماز میں شامل ہونے والے تمام 20 مقتدیوں کے نام بھی حضرت منشی محمد افضل صاحب نے 24 جولائی 1904ء کے البدر میں محفوظ کر دیئے۔

(البدر 24 جولائی 1904ء)

جذبات کا اخفاء

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعودؑ لوگوں پر اپنے جذبات کو کبھی ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نماز باجماعت میں یا لوگوں کے سامنے کسی نماز میں اپنے خشوع وخضوع کو اس حد تک ظاہر کریں کہ آپ کے آنسو ٹپکنے لگیں یا آپ کی گریہ کی آواز سنائی دے۔ ایک دفعہ سورج کو جب پیشگوئیوں کے مطابق گرہن لگا تو مسجد اقصیٰ قادیان میں نماز کسوف ادا کی گئی۔ امام نماز مولوی محمد احسن صاحب مرحوم تھے۔ انہوں نے سورہ فاتحہ اور قراءت بالجہر پڑھی اور بعض دعائیں بالجہر بھی کہیں جس سے اکثر نمازیوں پر حالت وجد طاری ہوئی۔ بہتیرے نماز میں رو رہے اور دعائیں کر رہے تھے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحم سے یہ توفیق عطا ہوئی کہ ہم اس سے فائدہ اٹھانے والے اور خدا تعالیٰ کے فرستادہ کو قبول

کرنے والے ہیں۔ غرض اکثر لوگ گریہ وبکا میں مصروف تھے مگر حضرت مسیح موعودؑ جو ہمارے ساتھ اس نماز میں شامل تھے اور میں حضورؑ کے پہلو بہ پہلو کھڑا تھا، آپ کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور جسم میں ایسی حرکات تھیں جو ایسی رقت کی حالت میں بعض دفعہ انسان پر طاری ہو جاتی ہیں۔

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

جمع نماز

مسیح موعود کی جو علامات مقرر تھیں ان میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ ''تجمع لہ الصلوٰۃ'' یعنی مسیح موعود کے لئے نمازیں جمع کی جائیں گی۔

(مسند احمد حدیث نمبر 7562)

جس میں اس طرف اشارہ تھا کہ مصروفیت کا ایک زمانہ اس پر ایسا آئے گا کہ اس کے دینی اغراض ومقاصد کی تکمیل کیلئے نمازیں جمع کی جائیں گی۔ ضمناً اس سے یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہیں ہوگا بلکہ کوئی اور امامت کرائے گا سو اس پیش گوئی کے عین مطابق قریباً اکتوبر 1900ء سے فروری 1901ء تک کا دور ایسا آیا جب کہ ''خطبہ الہامیہ'' ''تحفہ گولڑویہ'' ''تریاق القلوب'' اور بعض دوسری کتب کی تکمیل اور ''اعجاز المسیح'' کی تصنیف کے سلسلہ میں چار پانچ ماہ تک حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مسجد مبارک میں ظہر وعصر کی نمازیں جمع کرواتے رہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 2 ص 171)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

وفات سے دو تین سال قبل جب کہ حضورؑ نماز مغرب وعشاء کے واسطے باہر (مسجد) میں تشریف نہ لا سکتے، گھر کے اندر عورتوں اور اولاد کو جمع کر کے نماز پڑھاتے اور مغرب وعشاء جمع کی جاتی۔ جمع کے واسطے عموماً مغرب اپنے وقت پر پڑھ کر عشاء ساتھ ملا لی جاتی یا عشاء کے وقت مغرب کا وقت تھوڑا سا گزار کر وہ نمازیں پڑھ لی جاتی تھیں مگر ایسا بھی ہوتا کہ مغرب اپنے وقت پر پڑھ کر عشاء ساتھ ملا لی جاتی یا عشاء کے وقت مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھ لی جاتی تھیں۔

جب نمازیں جمع ہوتیں تو پہلی، درمیانی اور آخری کوئی سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ صرف فرض پڑھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ظہر کے وقت پہلی سنتیں پڑھنی شروع کر دیں تو حضورؑ نے دو دفعہ فرمایا نماز جمع ہوگی سنتوں کی ضرورت نہیں۔ پس میں نے سلام پھیر دیا اور سنتیں نہ پڑھیں''۔

(الفضل 3 جنوری 1931ء)

سنتیں اور نوافل گھر میں

حضرت مسیح موعودؑ فریضہ نماز کی ابتدائی سنتیں گھر میں ادا کرتے تھے۔ اور بعد کی سنتیں بھی عموماً گھر میں اور کبھی کبھی مسجد میں پڑھتے تھے۔

(سیرۃ المہدی جلد اول ص 4)

حضرت مسیح موعودؑ کا معمول شروع سے یہ تھا کہ آپ سنن اور نوافل گھر پر پڑھا کرتے تھے اور فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ التزام آپ کا آخر وقت تک رہا۔ البتہ جب کبھی فرض نماز کے بعد دیکھتے کہ بعض لوگ جو پیچھے سے آ کر جماعت میں شریک ہوئے ہیں اور ابھی انہوں نے نماز ختم نہیں کی اور راستہ نہیں ہے تو آپ مسجد میں سنتیں پڑھا کرتے تھے۔ یا کبھی کبھی جب مسجد میں بعد نماز تشریف رکھتے تو سنن، مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔

(سیرت مسیح موعودؑ ص 65)

حضرت مرزا دین محمد صاحب لنگروال بیان کرتے ہیں کہ:۔

''حضرت مسیح موعودؑ مسجد میں فرض نماز ادا فرماتے۔ سنتیں اور نوافل مکان پر ہی ادا فرماتے۔ (الفضل 2 دسمبر 1941ء)

(شمائل احمد ص 28)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک بار فرمایا:

حضرت مسیح موعودؑ کی عادت تھی کہ آپ فرض پڑھنے کے بعد فوراً اندرون خانہ چلے جاتے تھے اور ایسا ہی اکثر میں بھی کرتا ہوں اس سے بعض نادان بچوں کو بھی غالباً یہ عادت ہوگئی ہے کہ وہ فرض پڑھنے کے بعد فوراً مسجد سے چلے جاتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ وہ سنتوں کی ادائیگی سے محروم ہو جاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت صاحب اندر جا کر سب سے پہلے سنتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایسا ہی میں بھی کرتا ہوں۔ کوئی ہے جو حضرت صاحب کے اس عمل درآمد کے متعلق گواہی دے۔

اس پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو حسب العادت مجلس درس میں تشریف فرما تھے کھڑے ہوئے اور بآواز بلند کہا بے شک حضرت صاحب کی ہمیشہ عادت تھی کہ آپ مسجد جانے سے پہلے گھر میں سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے اور باہر مسجد میں جا کر فرض ادا کر کے گھر میں آتے تو فوراً سنتیں پڑھنے کھڑے ہوتے۔ اور نماز سنت پڑھ کر پھر اور کوئی کام کرتے۔ ان کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی یہی شہادت دی۔ اور ان کے بعد حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اور ان کے بعد صاحبزادہ میر محمد اسحاق صاحب نے اور پھر حضرت اقدسؑ کے پرانے خادم حافظ حامد علی صاحب نے بھی وہی گواہی دی۔

(سیرت مسیح موعودؑ ص 66)

وقار اور اطمینان

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعودؑ نماز میں جلدی نہ کرتے تھے بلکہ سکون کے ساتھ آہستگی سے رکوع اور سجدے میں جاتے اور آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے''۔

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ فرماتے ہیں:

میں نے بارہا حضرت مسیح موعودؑ کو نماز فرض اور نماز تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نماز نہایت اطمینان سے پڑھتے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 48)

نماز تہجد سے شغف

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

''نماز تہجد کے واسطے آپ بہت پابندی سے اٹھا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کے معنے ہیں، سو کر اٹھنا، جب ایک دفعہ آدمی سو جائے اور پھر نماز کے واسطے اٹھے تو وہی اس کا وقت تہجد ہے۔ عموماً آپ تہجد کے بعد سوتے نہ تھے۔ صبح کی نماز تک برابر جاگتے رہتے............''۔

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت مرزا دین محمد صاحب لنگر والؓ فرماتے ہیں:

میں اپنے بچپن سے حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھتا آیا ہوں۔ اور سب سے پہلے میں نے آپ کو مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی زندگی میں دیکھا تھا۔ جبکہ میں بالکل بچہ تھا آپ کی عادت تھی کہ رات کو عشاء کے بعد جلد سو جاتے تھے۔ اور پھر ایک بجے کے قریب تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور تہجد پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان ہوتی تو سنتیں گھر میں پڑھ کر نماز کیلئے مسجد میں جاتے۔ اور باجماعت نماز پڑھتے۔ نماز کبھی خود کراتے کبھی میاں جان محمد کراتا۔ نماز سے آ کر تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے۔ میں نے آپ کو مسجد میں سنت نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ سنت گھر پر پڑھتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 20)

پھر فرماتے ہیں:

میں حضرت صاحب کے پاس سوتا تھا۔ تو آپ مجھے تہجد کے لئے نہیں جگاتے تھے۔ مگر صبح کی نماز کے لئے ضرور جگاتے تھے۔ اور جگاتے اس طرح تھے کہ پانی میں انگلیاں ڈبو کر اس کا ہلکا سا چھینٹا پھوار کی طرح پھینکتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ آواز دے کر کیوں نہیں جگاتے۔ اور پانی سے کیوں جگاتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے اور فرمایا کہ آواز دینے سے بعض اوقات آدمی دھڑک جاتا ہے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 20)

حضرت حافظ نور محمد صاحب کو بالکل نوجوانی میں قادیان آنے اور حضورؑ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:

اس زمانہ میں حضورؑ کے پاس سوائے دو تین خادموں کے اور کوئی نہ ہوتا تھا پھر بعد میں آہستہ آہستہ دو دو چار چار آدمیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی ان دنوں میں میرے ایک عزیز دوست حافظ نبی بخش صاحب بھی جن کی عمر اس وقت دس بارہ سال کی تھی میرے ہمراہ قادیان جایا کرتے تھے۔ رات ہوتی تو حضرت صاحب ہم سے فرماتے کہ آپ کہاں سوئیں گے۔ ہم حضورؑ سے عرض کرتے کہ حضورؑ ہی کے پاس سو رہیں گے۔ اور دل میں ہمارے یہ ہوتا تھا کہ حضورؑ جب تہجد کے لئے رات

کو اٹھیں گے تو ہم بھی ساتھ ہی اٹھیں گے مگر آپ اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھ لیتے تھے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ جب آپ اٹھتے تھے تو چراغ روشن فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد دوم ص 32)

مرزا اسماعیل صاحب روایت کرتے ہیں:

تہجد کے لئے کبھی میں خود جاگ پڑتا اور کبھی جگا لیتے تھے۔ جگانے میں آپ کا معمول یہ تھا کہ ہلا کر جگایا کرتے تھے۔ جمال بھی وہاں سویا کرتا تھا۔ اور وہ اٹھا نہیں کرتا تھا۔ تب آپ فرماتے کہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارو مگر جب وہ یہ کہتے ہوئے سنتا تو فوراً اٹھ بیٹھتا۔ آپ دراصل یہ چاہتے تھے کہ جو کوئی آپ کے پاس رہے۔ باقاعدہ نماز پڑھے۔ اور تہجد میں بھی شریک ہونے کی عادت ڈالے۔ نماز تہجد کے بعد آپ کا معمول تھا کہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ اور فجر کی نماز اول وقت میں مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔

(حیات احمد ص 344)

حافظ حامد علی صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے نوکر تھے اور حضورؑ کے پاس صرف چار روپے ماہوار اور کھانے پر ملازم تھے فرمایا کرتے تھے، بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں پہلی رات حضرت صاحب کے پاؤں دبانے کے واسطے آپ کی چارپائی پر بیٹھ جاتا تھا مگر پاؤں دباتے دباتے خود بھی اسی چارپائی پر اونگھنے لگتا تھا اور سو جاتا تھا۔ حضرت صاحب کبھی مجھے نہ جھڑکتے نہ خفا ہوتے، نہ اٹھاتے۔ بلکہ تمام رات میں وہیں سویا رہتا اور معلوم نہیں خود حضرت صاحب کس حالت میں گزار دیتے تھے مگر میں آرام سے سویا رہتا تھا۔ تہجد کے وقت حضورؑ ایسی آہستگی اور خاموشی سے اٹھتے کہ مجھے کبھی خبر نہ ہوتی لیکن گاہے گاہے جب کہ آپ کی آواز خشوع و خضوع کے سبب بے اختیار بلند ہوتی مجھے خبر ہو جاتی اور میں شرمندہ ہو کر اٹھتا لیکن اگر میں بے خبری میں سویا رہتا تو حضورؑ مجھے نماز فجر کے واسطے اٹھاتے اور مسجد میں ساتھ لے جاتے''۔

(الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ فرماتے ہیں: کہ 1895ء میں مجھے تمام ماہ رمضان قادیان میں گزارنے کا اتفاق ہوا اور میں نے تمام مہینہ حضرت صاحب کے پیچھے نماز تہجد یعنی تراویح ادا کی۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ وتر اول شب میں پڑھ لیتے تھے اور نماز تہجد آٹھ رکعت دو دو رکعت کر کے آخر شب میں ادا فرماتے تھے جس میں آپ ہمیشہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی تلاوت فرماتے تھے۔ اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص کی قراءت فرماتے تھے اور رکوع اور سجود میں یا حی یا قیوم برحمتک استغیث اکثر پڑھتے تھے اور ایسی آواز سے پڑھتے تھے کہ آپ کی آواز میں سن سکتا تھا۔ نیز آپ ہمیشہ سحری نماز تہجد کے بعد کھاتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 2 ص 12)

محترم ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا لڑکا ممتاز احمد بعمر 2 سال ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہو گیا اور کسی دوا سے آرام نہ آتا تھا۔ بیگم کے کہنے پر حضرت مسیح موعودؑ سے دعا کرانے کے لئے قادیان چلے گئے۔ رات 2 بجے قادیان پہنچے۔ دیکھا کہ مسجد مبارک تہجد گزار لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ اندر نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر دل پر بے حد اثر ہوا۔ اور بیعت کر لی۔ اسی روز حضورؑ کی دعا سے بیٹا بھی شفایاب ہو گیا۔ (افسوس کہ ڈاکٹر صاحب بعد میں غیر مبائعین میں شامل ہو گئے) (تاریخ احمدیت لاہور 315)

نماز اشراق

حضرت اماں جان بیان فرماتی ہیں کہ:

حضرت مسیح موعودؑ نماز پنجوقتہ کے سوا عام طور پر دو قسم کے نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک نماز اشراق (دو یا چار رکعت) جو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے اور دوسرے نماز تہجد (آٹھ رکعات) جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے۔ سوائے اس کے کہ آپ زیادہ بیمار ہوں۔ لیکن ایسی صورت میں بھی آپ تہجد کے وقت بستر پر لیٹے لیٹے ہی دعا مانگ لیتے تھے اور آخری عمر میں بوجہ کمزوری کے عموماً بیٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 ص 3)

حضرت مائی بھولی صاحبہ و محترمہ مائی جیونی قادر آباد نے بیان کیا کہ:۔

''............ جب حضورؑ سیر کو ہمارے گاؤں میں آیا کرتے تھے تو ہماری کچی مسجد میں آ کر نماز اشراق پڑھتے۔ ہم لوگ ساگ روٹی پیش کرتے تو حضورؑ کبھی برا نہ مناتے اور نہ ہی کراہت کرتے بلکہ محبت سے قبول فرماتے''۔

(شمائل احمد ص 28)

نومبر 1904ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے مرض ذیابیطس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اس سے مجھے سخت تکلیف تھی۔ ڈاکٹروں نے اس میں شیرینی کو سخت مضر بتلایا ہے۔...... مگر عسل (شہد) تو خدا کی وحی سے طیار ہوا ہے۔ اس لئے اس کی خاصیت دوسری شیرینیوں کی سی ہرگز نہ ہوگی۔...... اس خیال سے میں نے تھوڑے سے شہد میں کیوڑا ملا کر اسے پیا تو تھوڑی دیر کے بعد مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا حتیٰ کہ میں نے چلنے پھرنے کے قابل اپنے آپ کو پایا اور پھر گھر کے آدمیوں کو لے کر باغ تک چلا گیا اور وہاں دس رکعت اشراق نماز کی ادا کیں''۔

(البدر قادیان 24 نومبر و یکم دسمبر 1904ء ص 3)

حضرت مولوی شیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ:

جب 4/اپریل 1905ء کا زلزلہ آیا تھا۔ اس دن میں نے حضرت صاحب کو باغ میں آٹھ نو بجے صبح کے وقت نماز پڑھتے دیکھا تھا اور میں نے دیکھا کہ آپ نے بڑی لمبی نماز پڑھی تھی۔ (سیرت المہدی جلد اول ص 223)

نماز استسقاء

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک دفعہ نماز استسقاء ہوئی تھی جس میں حضرت صاحب بھی شامل ہوئے تھے اور شاید مولوی محمد احسن صاحب مرحوم امام ہوئے تھے۔ لوگ اس نماز میں بہت روئے تھے۔ مگر حضرت صاحب میں چونکہ ضبط کمال کا تھا اس لئے آپ کو میں نے روتے نہیں دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ اس کے بعد بہت جلد بادل آ کر بارش ہو گئی تھی بلکہ شاید اسی دن بارش ہو گئی تھی۔ (سیرت المہدی جلد 2 ص 105)

حضرت حکیم محمد زاہد صاحب شور کوٹ بیان کرتے ہیں:۔

ایک دفعہ جبکہ گرمی کا موسم تھا اور بارش نہ ہوتی تھی لوگوں نے صلوٰۃ استسقاء کے لئے حضورؑ سے کہا۔ حضورؑ نے مان لیا۔ آخر دوپہر سے کچھ پہلے مرد حضرت صاحب کے ساتھ باہر گئے اور ہم حضرت اماں جان والے گروپ میں باغ میں گئے۔ باغ میں ایک حویلی تھی۔ باہر سے حضرت صاحب نے حویلی کے اندر حضرت اماں جان کے پاس کچھ ٹوکرے بھجوائے جن میں آم اور آڑو تھے کہ بچوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت اماں جان نے ہم سب بچوں میں ان چیزوں کو تقسیم کیا۔ حضورؑ نے صلوٰۃ استسقاء باہر میدان میں پڑھائی۔ غالباً کافی دیر لگی۔ بالآخر حضرت اماں جان کے پاس حضورؑ کا رقعہ آیا کہ بچوں کو لے کر فوراً شہر چلے جائیں۔ امید ہے سخت بارش ہوگی۔ چنانچہ ابھی ہم شہر پہنچے ہی تھے کہ سخت بارش شروع ہو گئی اور ہمارے کپڑے بھی بھیگ گئے۔

(ماہنامہ انصار اللہ اپریل 1974ء ص 38)

سفر سے پہلے نفل

حضورؑ کے خادم مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال بیان کرتے ہیں:

''میں اولاً حضرت مسیح موعودؑ سے واقف نہ تھا۔ یعنی ان کی خدمت میں مجھے جانے کی عادت نہ تھی۔ خود حضرت صاحب گوشہ گزینی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور شریعت کے دلدادہ تھے۔ یہی شوق مجھے بھی ان کی طرف لے گیا اور میں ان کی خدمت میں رہنے لگا۔ جب مقدمات کی پیروی کیلئے جاتے تو مجھے گھوڑے پر اپنے ساتھ اپنے پیچھے سوار کر لیتے تھے۔

جس دن آپ نے بٹالہ جانا ہوتا تو سفر سے پہلے آپ دو نفل پڑھ لیتے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول ص 76)

نماز کسوف

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب لکھتے ہیں:

'' 1894ء میں پیشگوئیوں کے مطابق چاند گرہن لگا۔ سورج گرہن لگنے کے دن قریب آئے تو میں اور میرے بھائی مرزا ایوب بیگ صاحب نے ارادہ کیا کہ اس وقت ہم قادیان میں موجود ہوں۔ چنانچہ گرہن والے دن صبح کو ہم قادیان پہنچ گئے۔ صبح کو حضرت اقدسؑ کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی۔ مولانا مولوی محمد احسن صاحب امروہوی نے یہ نماز پڑھائی تھی۔ اور قریب تین گھنٹہ کے یہ نماز اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعا جاری رہی۔ چھوٹی مسجد کی چھت پر نماز پڑھی گئی تھی۔ (آئینہ صدق و صفا ص 46 تا 48)

فقہی مسائل میں وسعت

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعودؑ نماز میں آمین بالجہر نہ کرتے تھے لیکن کرنے والوں کو روکتے بھی نہ تھے۔ رفع یدین نہ کرتے تھے لیکن کرنے والوں کو روکتے نہ تھے۔ بسم اللہ بالجہر نہ پڑھتے تھے لیکن پڑھنے والوں کو روکتے بھی نہ تھے۔ ہاتھ سینے پر باندھتے تھے لیکن نیچے باندھنے والوں کو نہ روکتے تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم جو سالہا سال تک آپ کی نماز میں پیش امام رہے اور جن کو خدا کی پاک وحی میں لیڈر کا خطاب ملا تھا۔ ہمیشہ بسم اللہ اور آمین بالجہر کرتے اور فجر و مغرب اور عشاء میں بالجہر قنوت پڑھتے اور گاہے گاہے رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی مسجد میں ان امور کو موجب اختلاف نہ گردانا جاتا تھا۔ جو احباب کرتے تھے ان کو کوئی روکتا نہ تھا جو نہ کرتے تھے ان سے کوئی اصرار نہ کرتا تھا کہ ایسا ضرور کرو۔

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری فرماتے ہیں کہ اوائل میں میں سخت غیر مقلد تھا۔ اور رفع یدین اور آمین بالجہر کا بہت پابند تھا۔ اور حضرت صاحب کی ملاقات کے بعد بھی میں نے یہ

طریق مدت تک جاری رکھا عرصہ کے بعد ایک دفعہ جب میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کے بعد آپ نے مجھ سے مسکرا کر فرمایا میاں عبداللہ اب تو اس سنت پر بہت عمل ہو چکا ہے اور اشارہ رفع یدین کی طرف تھا میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس دن سے میں نے رفع یدین کرنا ترک کر دیا۔ بلکہ آمین بالجہر کہنا بھی چھوڑ دیا۔ اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا۔ اور نہ کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کا طریق عمل وہی تھا جو میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا لیکن ہم احمدیوں میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی یہ طریق عمل رہا ہے کہ ان باتوں میں کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا۔ بعض آمین بالجہر کہتے ہیں بعض نہیں کہتے بعض رفع یدین کرتے ہیں۔ اکثر نہیں کرتے۔ بعض بسم اللہ بالجہر پڑھتے ہیں اکثر نہیں پڑھتے اور حضرت صاحب فرماتے تھے کہ دراصل یہ تمام طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مگر جس طریق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ عمل کیا وہ وہی طریق ہے جس پر خود حضرت صاحب کا عمل تھا۔

(سیرت المہدی جلد اول ص162)

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ بڑی سختی کے ساتھ اس بات پر زور دیتے تھے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ باوجود سورۃ فاتحہ کو ضروری سمجھنے کے میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے بزرگ اور اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں جو سورۃ فاتحہ کی تلاوت ضروری نہیں سمجھتے تھے اور میں ان کی نمازوں کو ضائع شدہ نہیں کہتا۔

(سیرت المہدی جلد2 ص48)

خلوت کی عبادتیں

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

''نماز تہجد کی خلوت کے علاوہ دن کے وقت بھی عموماً ایک وقت بالکل علیحدگی میں عبادت میں گزارتے تھے۔ آپ کی رہائش کے کمرے کے ساتھ چھوٹا سا کمرہ بیت الدعا کا ہے۔ اسے اندر سے بند کر کے دو گھنٹہ کے قریب بالکل علیحدگی میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ ایام سفر میں بھی آپ کے واسطے کوئی چھوٹا سا کمرہ خلوت کے واسطے بالکل الگ کر دیا جاتا۔ مقدمہ کرم الدین کے زمانہ میں جب کہ کئی ماہ تک گورداسپور میں قیام رہا، اس وقت جو مکان کرایہ پر لیا ہوا تھا اس کے دروازے سے داخل ہوتے ہی بائیں طرف ایک چھوٹا سا کمرہ اس غرض کے واسطے الگ کر دیا تھا۔ جس میں حضورؑ عموماً 10 بجے سے 12 بجے تک روزانہ بالکل علیحدگی میں مصروف بہ عبادت و دعا رہتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں جب کہ ہنوز کچھ شہرت آپ کی نہ تھی اور آدمیوں کی کچھ آمدورفت نہ تھی، اس وقت آپ عموماً تلاش خلوت میں باہر جنگل میں چلے جایا کرتے اور علیحدگی میں بیٹھ کر عبادت الٰہی کرتے''

(بحوالہ الفضل 3 جنوری 1931ء)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ فرماتے ہیں آپ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ دعا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنالیا کرتے تھے۔ اور وہ بیت الدعا کہلاتا تھا۔ میں جہاں جہاں حضرت کے ساتھ گیا ہوں میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے دعا کے لئے ایک الگ جگہ ضرور مخصوص فرمائی اور اپنے روزانہ پروگرام میں یہ بات ہمیشہ داخل رکھی ہے کہ ایک وقت دعا کے لئے الگ کر لیا۔ قادیان میں ابتداء تو آپ اپنے اس چوبارہ میں ہی دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔ جو آپ کے قیام کے لئے مخصوص تھا۔ پھر مسجد اس مقصد کے لئے مخصوص ہوگیا۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلی نے مسجد بھی عام عبادت گاہ بنا دیا۔ اور تخلیہ میسر نہ رہا تو آپ نے گھر میں ایک بیت الدعاء بنایا۔ جب زلزلہ آیا اور حضورؑ کچھ عرصہ کے لئے باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی ایک چبوترہ اس غرض کیلئے تعمیر کرالیا۔ گورداسپور مقدمات کے سلسلہ میں آپ کو کچھ عرصہ کے لئے رہنا پڑا تو وہاں بھی بیت الدعا کا اہتمام تھا۔ غرض حضرت کی زندگی کا یہ دستور العمل بہت نمایاں ہے آپ دعا کے لئے ایک الگ جگہ رکھتے تھے بلکہ آخر حصہ عمر میں تو آپ بعض اوقات فرماتے۔ کہ بہت کچھ لکھا گیا اور ہر طرح اتمام حجت کیا۔ اب جی چاہتا ہے کہ میں صرف دعائیں کیا کروں دعاؤں کے ساتھ آپ کو ایک خاص مناسبت تھی۔ بلکہ دعائیں ہی آپ کی زندگی تھیں۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے آپ کی روح دعا کی طرف متوجہ رہتی تھی۔ ہر مشکل کی کلید آپ دعا کو یقین کرتے تھے اور جماعت میں یہی جذبہ اور روح آپ پیدا کرنا چاہتے تھے کہ دعاؤں کی عادت ڈالیں۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ص505-504)

بیت الدعا کی تعمیر

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو بچپن ہی سے ذکر الٰہی اور دعا سے جو عشق اور شغف تھا وہ اب آخری سالوں میں بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ اب آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اب دعوت الی اللہ اور تصنیف کا کام تو ہم اپنی طرف سے کر چکے ہیں اب ہمیں باقی ایام میں دعا میں مصروف ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے دنیا میں حق و صداقت قائم فرمائے اور ہمارے آنے کی غرض پوری ہو۔

(سیرت المہدی جلد2 ص71)

چنانچہ حضورؑ نے اسی آرزو کی تکمیل کے لئے 13 مارچ 1903ء کو جمعہ کے بعد بیت الفکر کے ساتھ غربی جانب ایک مقدس کمرہ کی بنیاد رکھی جس کا نام ''مسجد البیت'' اور ''بیت الدعا'' تجویز فرمایا۔

(اصحاب احمد جلد اول ص115)

حضورؑ نے ''مسجد البیت'' اور ''بیت الدعا'' کے بارے میں ایک دفعہ اپنے مخلص صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے فرمایا:

''ہم نے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ ستر سال کے قریب عمر سے گزر چکے ہیں۔ موت کا وقت مقرر نہیں خدا جانے کس وقت آجائے اور کام ہمارا ابھی بہت باقی ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشاء نہیں۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اسی سے قوت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا اور خدا سے دعا کی کہ اس البیت اور بیت الدعا کو امن اور سلامتی اور اعداء پر بذریعہ دلائل نیرہ اور براہین ساطعہ کے فتح کا گھر بنا دے''۔

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ص109)

نمازوں میں گریہ وزاری

حضرت مسیح موعودؑ کے خادم حضرت حافظ حامد علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ''تہجد کے وقت حضورؑ ایسی آہستگی اور خاموشی سے اٹھتے کہ مجھے خبر نہ ہوتی لیکن گاہے گاہے جب آپ کی آواز خشوع وخضوع کے سبب سے بے اختیار بلند ہوتی مجھے خبر ہو جاتی اور میں شرمندہ ہو کر اٹھتا............ سجدہ کو بہت لمبا کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس گریہ وزاری میں آپ پگھل کر بہہ جائیں گے۔ نماز تہجد کے واسطے آپ پابندی سے اٹھا کرتے تھے''۔

(اصحاب احمد جلد 18 ص74)

حضرت حافظ حامد علی صاحب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضورؑ نماز میں اهدنا الصراط المستقيم کا بہت تکرار کرتے تھے اور سجدہ میں یاحی یاقیوم کا بہت تکرار کرتے۔ بار بار یہی الفاظ بولتے جیسے کوئی بڑے الحاح اور زاری سے کسی بڑے سے کوئی شے مانگے اور بار بار روتے ہوئے اپنی مطلوبہ چیز کو دہرائے۔ ایسا ہی حضرت صاحب کرتے۔ عموماً پہلی رکعت میں آیت الکرسی پڑھا کرتے تھے۔ سجدہ کو بہت لمبا کرتے اور بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا کہ اس گریہ وزاری میں آپ پگھل کر بہہ جائیں گے''۔

(الفضل 3 جنوری 1931ء)

سیالکوٹ میں ملازمت کے دوران کا اکثر معمول تھا کہ آپ گھر سے باہر اپنے اوپر چادر لپیٹے رکھتے اور صرف اتنا حصہ چہرہ کا کھلا رکھتے جس سے راستہ نظر آئے۔ جب کچہری سے فارغ ہو کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے تو دروازہ بند کر لیتے اور قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ آپ کے اس طریق مبارک سے بعض متجسس طبیعتوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ ٹوہ لگانا چاہئے کہ آپ کواڑ بند کر کے کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن ''سراغ رسان'' گروہ نے آپ کی ''خفیہ سازش'' کو بھانپ لیا یعنی ''انہوں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ مصلّی پر رونق افروز ہیں قرآن مجید ہاتھ میں ہے اور نہایت عاجزی اور رقت اور الحاح وزاری اور کرب وبلا سے دست بدعا ہیں کہ ''یا اللہ تیرا کلام ہے مجھے تو تو ہی سمجھائے گا تو میں سمجھ سکتا ہوں''۔

(تاریخ احمدیت جلد1 ص85)

مائی حیات بی بی صاحبہ بنت فضل دین صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ ''آپ کی عادت تھی کہ جب کچہری سے واپس آتے تو پہلے میرے باپ کو بلاتے اور ان کو ساتھ لے کر مکان میں جاتے۔ مرزا صاحب کا زیادہ تر ہمارے والد صاحب کے ساتھ ہی اٹھنا بیٹھنا تھا۔ ان کا کھانا بھی ہمارے ہاں ہی پکتا تھا۔ میرے والد ہی مرزا صاحب کو کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اندر جاتے اور دروازہ بند کر لیتے اور اندر صحن میں جا کر قرآن پڑھتے رہتے۔ میرے والد صاحب بتلایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب قرآن مجید پڑھتے پڑھتے بعض وقت سجدہ میں گر جاتے ہیں اور لمبے لمبے سجدے کرتے ہیں اور یہاں تک روتے ہیں کہ زمین تر ہو جاتی ہے''۔

(سیرت المہدی جلد3 ص93)

حضرت میاں سانولا پٹھانہ ضلع پونچھ کے رہنے والے تھے وہ بیمار ہوگئے اور جوڑوں میں درد ہوگیا۔ اتفاق سے کوئی احمدی ملا جس نے قادیان جا کر حکیم مولوی نورالدینؓ سے علاج کرانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ چار ماہ چھٹی لے کر قادیان میں رہے۔ جہاں علاج بھی کرایا اور حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں شامل ہوتے رہے۔ آپ نے

دیکھا کہ تقریر کرتے ہیں تو پٹوں پر ہاتھ مارتے اور زبان سے اڑکر بولتے ہیں انہوں نے یہ امام مہدی کی علامت سنی تھی۔ جب اسے ہو بہو مرزا صاحب میں دیکھا تو آپ کی صداقت کا یقین آ گیا۔ حضورؑ جب مسجد مبارک میں رات کو نماز پڑھنے کے لئے آتے تو وہ بھی اسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ گھنٹے دو گھنٹے نماز میں کھڑے رہتے جب سجدہ میں جاتے تو دو دو گھنٹے سجدہ میں پڑے رہتے اور سجدہ کے وقت ان سے ایسی آواز نکلتی جیسے ابلتی ہوئی ہانڈی سے نکلتی ہے۔ سجدے کی جگہ روتے روتے تر ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر انہیں یقین آ گیا کہ یہ شخص سچا ہے۔ تب انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(تاریخ احمدیت کشمیر ص 67)

نماز جنازہ

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ فرماتے ہیں:

نماز جنازہ عموماً حضورؑ خود پڑھاتے تھے۔ حضورؑ کو میں نے نماز جنازہ کسی کے پیچھے پڑھتے نہیں دیکھا یا کم از کم میری یاد میں نہیں۔

(اصحاب احمد جلد 9 ص 193 تا 196)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت صاحب کے زمانہ میں نماز جنازہ خود حضورؑ ہی پڑھاتے تھے۔ حالانکہ عام نمازیں حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب یا مولوی عبدالکریم صاحب پڑھاتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ جمعہ کو جنازہ غائب ہونے لگا تو نماز تو مولوی صاحبان میں سے کسی نے پڑھائی اور سلام کے بعد حضرت مسیح موعودؑ آگے بڑھ جاتے تھے اور جنازہ پڑھا دیا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 167)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے حضورؑ کے پیچھے کئی دفعہ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ بعض واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب کا صاحبزادہ فوت ہو گیا اور اس کے جنازہ میں بہت احباب شریک تھے کہ حضرت اقدسؑ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بڑی دیر لگی بعد سلام کے آپ نے تمام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ اس وقت ہم نے اس لڑکے کی نماز جنازہ ہی نہیں پڑھی بلکہ تم سب کی جو حاضر ہو اور ان کی جو ہمیں یاد آیا نماز جنازہ پڑھ دی ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ اب ہمارے جنازہ پڑھنے کی تو ضرورت نہیں رہی حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو ایسا موقع نہ ملے تو یہی نماز کافی ہو گئی ہے اس پر تمام حاضرین احباب کو بڑی خوشی ہوئی اور حضرت مسیح موعودؑ نے جو سب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہم نے تم سب کی نماز جنازہ پڑھ دی ایسے پر شوکت اور یقین سے بھرے ہوئے الفاظ میں یہ فرمایا کہ جس سے آپ کے الفاظ اور چہرہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم سب آپ کے سامنے جنازہ ہیں اور یقینا ہماری مغفرت ہو گئی اور ہم جنت میں داخل ہو گئے اور آپ کی دعا ہمارے حق میں مغفرت کی قبول ہو گئی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ (تذکرۃ المہدی ص 79)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ فرماتے ہیں کہ 1905ء کے زلزلہ کے بعد جب باغ میں رہائش تھی۔ تو ایک دن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ آج ہم نے اپنی ساری جماعت کا جنازہ پڑھ دیا ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ روایت فرماتے ہیں:

کہ پورا واقعہ یوں ہے کہ ان ایام میں آپ نے جب ایک دفعہ کسی احمدی کا جنازہ پڑھا تو اس میں بہت دیر تک دعا فرماتے رہے اور پھر نماز کے بعد فرمایا کہ ہمیں علم نہیں کہ ہمیں اپنے دوستوں میں سے کس کس کے جنازہ میں شرکت کا موقعہ ملے گا۔ اس لئے آج میں نے اس جنازہ میں سارے دوستوں کے لئے جنازہ کی دعا مانگ لی ہے اور اپنی طرف سے سب کا جنازہ پڑھ دیا ہے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 21)

حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ بیس برس کا ایک شخص نوجوان تھا وہ بیمار ہوا اور اس کو حضرت مسیح موعودؑ کے حضور کسی گاؤں سے لے آئے اور وہ قادیان میں آپ کی خدمت میں آیا چند روز بیمار رہ کر وفات پا گیا صرف اس کی ضعیفہ والدہ ساتھ تھی حضرت اقدسؑ نے حسب عادت شریفہ اس مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی بعض کو بباعث لمبی لمبی دعاؤں کے نماز میں دیر لگنے کے چکر بھی آ گیا اور بعض گھبرا اٹھے (یہ گھبرانا اور چکرانا یا تھک جانا دراصل ابتدائی حالت ہے ورنہ بعد میں جو اس تعلیم حقہ اور صحبت کے یقینی رنگ میں رنگے گئے پھر تو ذوق وشوق کی حالت ہر ایک میں ایسی پیدا ہو گئی کہ دیر بھی عجلت معلوم ہوتی تھی اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ ابھی اور لمبی نماز کی جائے اور نماز اور دعاؤں کو طول دیا جائے روز بروز ہر ایک کا قدم ترقی پر تھا اور وقتاً فوقتاً سلوک کی منازل طے کرتا تھا اور یقین کا درجہ حاصل کرتا تھا۔ اور یہی کونوا مع الصادقین کا نتیجہ اور علت غائی ہے) بعد سلام کے فرمایا کہ وہ شخص جس کے جنازہ کی ہم نے اس وقت نماز پڑھی اس کے لئے ہم نے اتنی دعائیں کی ہیں اور ہم نے دعاؤں میں بس نہیں کی جب تک اس کو بہشت میں داخل کرا کر چلتا پھرتا نہ دیکھ لیا یہ شخص بخشا گیا اس کو دفن کر دیا رات کو اس کی والدہ ضعیفہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں بڑے آرام سے ٹہل رہا ہے اور اس نے کہا کہ حضرت کی دعا سے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا اور جنت میرا ٹھکانا کیا گو کہ اس کی والدہ کو اس کی موت سے سخت صدمہ تھا لیکن اس مبشر خواب کے دیکھتے ہی وہ ضعیفہ خوش ہو گئی اور تمام صدمہ اور رنج و غم بھول گئی اور یہ غم مبدل بہ راحت ہو گیا۔

(تذکرۃ المہدی ص 79-80)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ فرماتے ہیں:۔

میاں جان محمد صاحب کا جنازہ قبرستان میں گیا تو حضرت اقدسؑ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خود امام ہوئے نماز میں اتنی دیر لگی کہ ہمارے مقتدیوں کے کھڑے کھڑے پیر دکھنے لگے اور ہاتھ باندھے باندھے درد کرنے لگے اوروں کی تو میں کہتا نہیں کہ ان پر کیا گزری لیکن میں اپنی کہتا ہوں کہ میرا حال کھڑے کھڑے بگڑ گیا اور یوں بگڑا کہ کبھی ایسا موقع مجھے پیش نہیں آیا کیونکہ ہم نے دو منٹ میں نماز جنازہ ختم ہوتے دیکھی ہے پھر مجھے ہوش آیا تو سمجھا کہ نماز تو یہی نماز ہے پھر تو میں مستقل ہو گیا اور ایک لذت اور سرور پیدا ہونے لگا اور یہ جی چاہتا تھا کہ ابھی اور نماز لمبی کریں۔

جب نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو حضرت اقدسؑ مکان کو تشریف لے چلے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ: حضورؑ اتنی دیر نماز میں لگی کہ تھک گئے۔ حضورؑ کا کیا حال ہوا ہو گا۔ یعنی آپ بھی تھک گئے ہونگے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا: ہمیں تھکنے سے کیا تعلق ہم تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے اس سے مرحوم کے لئے مغفرت مانگتے تھے مانگنے والا بھی کبھی تھکا کرتا ہے جو مانگنے سے تھک جاتا ہے وہ رہ جاتا ہے ہم مانگنے والے اور وہ دینے والا پھر تھکنا کیسا جس سے ذرا سی بھی امید ہوتی ہے وہاں سائل ڈٹ جاتا ہے اور بارگاہ احدیت میں تو ساری امیدیں ہیں وہ معطی ہے وہاب ہے رحمن ہے رحیم ہے اور پھر مالک ہے اور تس پر عزیز۔

دوسرے صاحب: حضورؑ نے کیا کیا دعائیں کیں دعاء ماثورہ تو چھوٹی سی دعا ہے۔

حضرت اقدسؑ: دعائیں جو حدیثوں میں آئی ہیں وہ دعاء کا طرز اور طریق سکھانے کے لئے ہیں یہ تو نہیں کہ بس یہی دعائیں کرو اور اس کے بعد جو ضرورتیں اور پیش آئیں ان کے لئے دعا نہ کرو۔ دعا کا سلسلہ قرآن شریف نے اور حدیث شریف نے چلا دیا۔ اب آگے داعی پر اس کی ضرورتوں کے لحاظ سے معاملہ رکھ دیا کہ جیسی ضرورتیں اور مطالب اور مقاصد پیش آئیں دعا کرے۔ ہم نے اس مرحوم کے لئے بہت دعائیں کیں اور ہمیں یہ خیال بندھ گیا کہ یہ شخص ہم سے محبت رکھتا تھا ہمارے ساتھ رہتا تھا ہمارے ہر ایک کام میں شریک رہتا تھا اور اب یہ ہمارے سامنے پڑا ہے اب ہمارا فرض ہے کہ اس وقت ہم شریک حال ہوں اور یہ وہ ہے کہ اس کے واسطے جناب باری میں دعائیں کی جائیں سو اس وقت جہاں تک ہم میں طاقت تھی دعائیں کیں۔

میں کچھ بولنا چاہتا تھا جو حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب بول اٹھے۔ جناب مجھے اس وقت یہ خیال آیا اور اس وقت بھی کہ جب مرحوم کا جنازہ پڑھا جا رہا تھا کہ یہ جنازہ میں ہوتا۔

حضرت اقدسؑ نے ہنس کر فرمایا آپ مولوی صاحب نیکیوں میں سابق بالخیرات ہیں۔ انما الاعمال بالنیات انسان کو نیت صحیح کے مطابق اجر مل جاتا ہے اور آپ تو نورالدینؓ اسم با مسمی ہیں۔ (تذکرۃ المہدی ص 77-78)

آخری عمل

حضرت مسیح موعودؑ کی مبارک زندگی کے آخری دن کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

صبح ہو گئی اور حضرت مسیح موعودؑ کی چار پائی کو باہر صحن سے اٹھا کر اندر کمرے میں لے آئے۔ جب ذرا روشنی ہو گئی تو حضورؑ نے پوچھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضورؑ ہو گیا ہے اس پر حضورؑ نے بستر پر ہی ہاتھ مار کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے ہی نماز شروع کر دی۔ اسی حالت میں تھے کہ غشی سی طاری ہو گئی اور نماز پوری نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر بعد حضورؑ نے پھر دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہو گیا ہے۔ آپ نے پھر نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔ اس کے بعد نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی مگر جب کبھی ہوش آتا تھا وہی الفاظ اللہ میرے پیارے اللہ سنائی دیتے تھے اور ضعف لحظہ بلحظہ بڑھتا جاتا تھا۔

(سلسلہ احمدیہ ص 183)

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

”آپ کا آخری کام بھی دنیا میں عبادت الٰہی ہی تھا۔ آپ کی وفات کے وقت میں حضورؑ کے قدموں میں حاضر تھا۔ جب تک آپ بول سکتے تھے۔ سوائے اس کے کوئی لفظ آپ کے منہ پر نہ تھا کہ اے میرے پیارے اللہ! اے میرے پیارے اللہ! آخری نصف شب اس حالت میں گزری یہاں تک کہ گلے کی خشکی کے سبب بولنا

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد مبارک

سیدنا حضرت اقدس امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترم ناظر صاحب اعلیٰ کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ ’’تربیت کیلئے سب سے پہلے تمام جماعتوں میں پانچ وقت باجماعت نمازوں کے موقعے پر بھرپور حاضری کا MTA کے ذریعہ خطبہ جمعہ اور دیگر جماعتی پروگرام دیکھنے کا اور درس وتدریس کا مکمل انتظام کروانے کی طرف خصوصی توجہ خود بھی دیں اور تمام عہدیداران کو بھی دلوائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق دے اور ہر لمحہ آپ سب کا حامی و مددگار ہو۔ آمین‘‘

تمام زونل امراء کرام صدران جماعت رمبلغین و معلمین کرام رسیکرٹری اصلاح وارشاد حضور انور کے اس ارشاد پر بر عمل عملی جامہ پہنا کر ہر ماہ اس کی رپورٹ ارسال فرمائیں۔

(ناظر اصلاح وارشاد قادیان)

دشوار ہو گیا۔ جب کمرے میں فجر کی کچھ روشنی آپ نے دیکھی تو فرمایا نماز! اس وقت یہ عاجز حضورؑ کے پاؤں دبا رہا تھا اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب...... (خلیفۃ المسیح) نے جو سرہانے کے قریب بیٹھے تھے، یہ سمجھا مجھے فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا نماز پڑھ لو۔ انہوں نے عرض کی میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ آپ نے دوبارہ فرمایا نماز! اور ہاتھ سینے پر باندھ کر نماز پڑھنی شروع کی۔ اس کے بعد حضورؑ نے پھر کوئی کلمہ نہیں بولا یہاں تک کہ آٹھ بجے کے قریب حضورؑ کا وصال اپنے حقیقی معبود اور محبوب کے ساتھ ہو گیا۔ پس آپ کا آخری فعل بھی اس دنیا میں عبادت ہی تھا۔ خلوت میں بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور جلوت میں بھی آپ عبادت الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ آپ کا جینا بھی عبادت الٰہی میں تھا اور آپ کا فوت ہونا بھی عبادت الٰہی میں ہوا‘‘۔

(الفضل 3 جنوری 1931ء)

درخت کے پھل

حضرت مسیح موعودؑ کے نمونہ اور تاثیرات قدسیہ کے نتیجہ میں ایک عظیم جماعت عابدوں کی تیار ہوئی جن کی نمازوں کے برتن خشوع وخضوع اور برکات سے بھرپور تھے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ تحریر فرماتے ہیں:

سیدنا حضرت اقدسؑ مسیح موعود کے زمانہ حیات میں جب کہ خدا تعالیٰ کی مقدس وحی کا نزول باران رحمت کی طرح ہو رہا تھا۔ اس عہد میں جو بات بار بار میرے تجربہ میں آئی یہ تھی کہ دعا کرنے اور نماز پڑھنے کی سمجھ اور لذت ان نمازوں کے ذریعہ آئی جو حضورؑ اقدس کی معیت میں پڑھی گئیں۔ سبحان اللہ وہ کیا ہی مبارک زمانہ تھا کہ نماز کے وقت نمازیوں کے خشوع وخضوع، رقت قلب اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ گڑگڑانے او رآہ وبکا کرنے کا شور مسجد مبارک میں بلند ہوتا تھا لوگ آستانہ الٰہی پر سربسجود ہوتے اور مسجد مبارک وجدانی صداؤں سے گونج اٹھتی۔ نبی وقت کی پاک صحبت اور بابرکت روحانی توجہ کا یہ اعجاز نما اثر جب بھی یاد آتا ہے تو دل پر خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں حضورؑ کی معیت میں قادیان میں شاید ہی کوئی نماز پڑھی ہو گی جو رقت قلب اور اشکبار آنکھوں سے ادا نہ کی گئی ہو۔ علاوہ اس کے دعا کرنے پر جواب بھی فوراً مل جاتا۔ خواہ رات کو رویا کے ذریعہ یا کشفی طور پر یا بذریعہ الہام کے۔ (حیات قدسی ص 971)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کے زمانہ میں اس عاجز نے نمازوں میں اور خصوصاً سجدوں میں لوگوں کو آج کل کی نسبت بہت زیادہ روتے سنا ہے رونے کی آوازیں مسجد کے ہر گوشہ سے سنائی دیتی تھیں۔ اور حضرت صاحب نے اپنی جماعت کے اس رونے کا فخر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جس نماز سے پہلے حضرت صاحب کی کوئی خاص تقریر اور نصیحت ہو جاتی تھی۔ اس نماز میں تو مسجد میں گویا ایک کہرام برپا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سنگدل سے سنگدل آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد 3 ص 116)☆

منظوم کلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کیلئے اِک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

باغ میں ملت کے ہے کوئی گل رعنا کِھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اُس کا انتظار

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

آسماں بارد نشان الوقت مے گوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

اب اِسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے
وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار

اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آئیں یہ دن اور یہ بہار

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اِک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمد جس پہ میرا سب مدار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۱۔۱۰۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آیت اللہ ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

’’اے مخالفین احمدیت! غور سے سن لو کہ ہمارا واحد و یگانہ معبودِ حقیقی تو وہ ہے جو تمام صفات کا حامل ہے تمام طاقتوں کا مالک ہے اور ایسے خدا کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے خواہ ہماری گردنیں کٹ جائیں‘‘ (اختتامی خطاب جلسہ سالانہ جرمنی 2010)

’’اے وہ لوگو! جو اپنی طاقت اور کثرت کے بل بوتے پر ظلم میں بڑھتے چلے جا رہے ہو اس خدا سے ڈرو جو کہتا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (الاعراف:183) (اور ہم انہیں آہستہ آہستہ ایسے راستوں سے جن کو وہ جانتے نہیں ہلاکت کی طرف کھینچ لائیں گے) پس اپنی ہلاکت کو آواز نہ دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور زمانے کے منادی کی آواز پر کان دھرو کہ وہ بھی آیت اللہ ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری مخالفت تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل کو اپنی فتح پر محمول نہ کرو۔ یہ ڈھیل تو تمہیں خدا تعالیٰ کے قول اُمْلِيْ لَهُمْ (کہ میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں) کی وجہ سے مل رہی ہے۔ لیکن اس کے بعد کے انذاری الفاظ پر بھی ذرا غور کرو جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ۔ (الاعراف:183) (کہ میری تدبیر مضبوط ہے)۔ پس جب اللہ تعالیٰ حد سے بڑھے ہوؤں کے خلاف تدبیر کرتا ہے تو وہ انسانی سوچ کے دائرے سے باہر ہے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا تدبیر ہو گی۔ لیکن یہ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو ضرور پورا کرتا ہے اور پورا کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(اختتامی خطاب جلسہ سالانہ جرمنی 2010)

جنگ مقدس

حق اور باطل کے عظیم الشان معرکہ کا تفصیلی احوال اور تجزیہ

تحقیق وتحریر:
آصف محمود باسط۔لندن

حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنے مہدی و مسیح کے کاموں میں سے ایک کام یہ بیان فرمایا کہ وہ کسر صلیب یعنی صلیب کو توڑنے کا کام سرانجام دے گا۔کسر صلیب کی تفہیم امت کے اکثر علماء کو جس طرح سے ہوئی، وہ غیر معقول اور مضحکہ خیز ہی نہیں بلکہ گستاخانہ بھی ہے۔وہ مہدی جو پیغمبر اسلام ﷺ سے ہدایت یافتہ ہوگا،اس کے بارہ میں یہ خیال کرنا کہ وہ بستی بستی قریہ قریہ، ہاتھ میں کوئی اوزار لئے صلیبیں توڑتا پھرے نہ صرف اس مہدی کی توہین ہے جو اصلاح امت کے لئے مبعوث ہوا، بلکہ اس نبی معصوم ﷺ کی بھی توہین ہے جس نے اپنے مہدی سے توقعات وابستہ کیں،اسے اپنی پیاری امت کی اصلاح کا عظیم الشان کام سپرد فرمایا اور اسے نبی اللہ قرار دیا۔

تو پھر کسرِ صلیب کے معنی وہ ہوئے جو خود حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بیان فرمادیے تھے، یعنی دجالی طاقتوں کا مقابلہ اور ان پر اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا۔یہ کام جس طرح سے مسیح موعود، امام مہدی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے سرانجام دیا وہ بذات خود آپؑ کے دعویٰ مسیحیت ومہدویت کی صداقت کا ثبوت بن گیا۔

تصورِجہاد کی درست سمت کی تعیین:

حضورؑ نے امت محمدیہ پر ایک احسانِ عظیم یہ فرمایا کہ اسلام کی تعلیمات کو اصل حالت میں بیان فرما کر ان کی تفہیم کے لئے درست سمت کی تعیین فرمائی۔قرآن کریم کی تعلیمات پر مسلمان جس طرح عمل پیرا تھے، اس کے نتیجہ میں امت محمدیہ، خیرامم ہونے کے باوجود، دنیا بھر میں تضحیک اور تمسخر کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔لوگوں کی نظر میں قرآن کریم ایک ایسی کتاب تھی جو چھٹی صدی عیسوی میں بادیہ نشینوں کے لئے نازل ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ (معاذ اللہ) غیر متعلق، غیر ضروری، بے محل، بے موقع اور غیر اہم ہوگئی۔اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کی عمومی حالت اس افسوسناک تاثر کی تصدیق کرنے کے لئے کافی تھی۔

اگر ایک جہاد ہی کی قرآنی تعلیم کو لیں تو اکثر علماء اس پاکیزہ تعلیم کو ظلم اور بربریت کی علامت بنا چکے تھے۔اگرچہ سر سید احمد خان، مولوی چراغ علی، کرامت علی جونپوری اور بعض اور علماء بھی اس بات کے حامی تھے کہ برطانوی راج کے خلاف جہاد جائز نہیں مگر ایسا ہر رجحان مصالحتی اور معذرت خواہانہ تھا اور محض فتویٰ بازی تک محدود۔دارالحرب اور دارالاسلام کی بحث ایک فلسفیانہ ، سوفسطائی روش پر چل نکلی تھی۔حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائی پادریوں کے طرزِ تبلیغ کو دیکھا، سمجھا اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ آج پادری تلوار لے کر تم پر مسلط نہیں۔وہ اپنی کتاب لے کر آیا ہے، تم بھی کتاب سے اس کا مقابلہ کرو۔یہی اس دور میں جہاد ہوگا۔

پس یہ جو الزام معاندین اور مخالفین کی طرف سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ پر لگایا کہ نعوذ باللہ جہاد کو منسوخ قرار دیا، یہی اصل اسلامی عقیدۂ جہاد مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے کسرِ صلیب کے عظیم الشان کام کی بنیاد بن گیا۔

اسلام کا عظیم الشان، فتح نصیب جرنیل:

کسی کو حضرت مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ یہ تعلیم، جو قرآن کی اصل تعلیم تھی، سمجھ میں آگئی اور انہوں نے اتفاق کرنے پر اکتفا کیا، کچھ نے اسے سمجھنے بلکہ سننے سے بھی یکسر انکار کر دیا۔جن کو ہدایت دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرلیا ہوا تھا، وہ بہ دل و جان اس جہاد کا حصہ بننے کے لئے صف آراء ہوگئے۔مگر کسی بھی ردعمل سے بے نیاز، آسمانی روشنی میں راستہ دیکھ کر چلنے والا آخری زمانہ کا فتح نصیب جرنیل، حضرت نبی پاک ﷺ کا عاشق صادق، یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام مسیح موعود و مہدی معہود اپنے جہاد میں مصروف ہوگئے۔

دلائل اور براہین کی اس جنگ کے سلسلہ میں حضورؑ کے بہت سے کارناموں میں سے ایک کارنامہ آخری زمانے کے آثار کی وہ تشریح ہے جس سے تمام آثار define ہوئے اور جن کا جواب دینے کے لئے حضورؑ نے ایک unified طریقہ اختیار فرمایا۔یوں اسلام کے دشمن، اس کی طاقت، اس کی کمین گاہ، اس کا طریقۂ واردات ، اس کے ترکش میں تیروں کی اقسام ،سب کو سمجھنا آسان ہوگیا اور اس جنگ میں دفاعی کارروائی کے لئے حکمت عملی طے کرنے کی صورت پیدا ہوئی۔

تصورِ دجال کی قرآن کریم سے تفہیم:

حضرت مسیح موعود کے دور تک آخری زمانہ کی علامات کو فرد فرد دیکھا جاتا۔مکمل تصویر نہ تو کوئی دیکھ سکا اور نہ کوئی دیکھ سکتا تھا کہ یہ بغیر نیرِ الہام کے ممکن نہ تھا۔یوں فرد فرد علامات کو دیکھنے سے ایسے تصورات ابھرتے جو نہ صرف خلاف عقل تھے بلکہ مضحکہ خیز بھی تھے۔مثلاً خونی مہدی کے تصور اور دجال کے تصور میں بہت سی مشترک باتیں ابھر کر سامنے آتیں۔دونوں کردار معاذ اللہ ایک مزاج اور ایک طبیعت کے معلوم ہوتے۔یہ حضرت مسیح موعود کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک ہے کہ آپ نے ان علامات کی jigsaw کو یکجا کر کے دیکھا اور درست ترین تفہیم عطا فرمائی۔حضرت مسیح موعودؑ کے دور تک دجال کے تصور کو حضورؑ نے ہر طرح سے ، وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔مگر دیگر تعلیمات کی طرح حضورؑ نے اس تصور کو سمجھنے اور سمجھانے کی بنیاد قرآن کریم ہی کو بنایا۔یہ حدیث کہ جو دجال کے فتنہ سے حفاظت چاہے وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے، اور پھر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات میں عیسائیت کے کج روعقائد کا ذکر، ہمارے پیارے امام حضرت مرزا صاحبؑ نے انہیں یکجا کر کے دکھایا تو ہر ذی عقل نے جان لیا کہ دجال اس مافوق الفطرت عجوبے کا نام نہیں جو علماء ھم کی عقل میں آسیب کی طرح سما گیا ہے، بلکہ دجال سے مراد بھی درحقیقت وہ مذاہب ہیں ، وہ اقوام ہیں جو اپنی تدبیر، اپنے مکر ، اپنی سازشوں سے کاروبارِ عالم پر مطلق العنان گرفت چاہتے ہیں۔اس دور میں مذاہب کی طرف سے اسلام کو اگر کسی کی طرف سے خطرہ تھا، تو وہ عیسائیت تھی۔ہندوستان اسلام کا قلعہ تھا۔اسلام نے دینی، سیاسی، عسکری ہر طرح کی برتری ثابت کر کے ہندوستان کو اپنا قلعہ بنایا تھا۔عیسائی پادری جانتے تھے کہ اگر اسلام کے اس قلعہ کو اپنے زیر نگیں کرلیا تو اسلام کو دینی، سیاسی، عسکری غرض ہر طرح کی شکست سے دوچار کرنا آسان ہو جائے گا۔ایک اور بہت بڑی وجہ ہندوستان پر عیسائی مبلغین کی توجہ کے مرکوز ہونے کی یہ تھی کہ اس دور میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک چوتھائی آبادی ہندوستان میں آباد تھی اور یہی سب سے بڑی مسلم آبادی تھی۔

(Christian Mission to Muslims- The Record by Lyle L. Werff published by The William Carey Library 1977, Chapter1, n1 page 7)

ایم ٹی اے انٹرنیشل کے پروگرام ''راہِ ہُدیٰ'' کے سلسلہ میں Dr Jonathan Ingleby سے بات کرنے کا موقعہ ملا جو Radcliffe College میں مشن سٹڈیز کے شعبہ کے سربراہ کے طور پر کام کرنے کے بعد ریٹائر ہوئے۔انہیں جب پوچھا گیا کہ آخر عیسائی پادری کیا عزم لے کر ہندوستان گئے تھے، تو انہوں نے بتایا کہ وہ ہندوستان میں Indian Church کو transplant کرنا چاہتے تھے۔(دیکھئے www.youtube.com/rahehudaarchives1 اور تلاش کیجئے Jonathan Ingleby)

ہندوستان میں عیسائیت کو عام کرنے اور دیگر مذاہب پر حاوی کرنے کی اس خواہش کا اظہار ہندوستان میں اشاعتِ عیسائیت (Evangliscism) کیلئے جانے والے ابتدائی پادری اپنے خطبات میں برسرعام کرتے۔ اسی طرح کے ایک ابتدائی پادری Henry Martyn نے بھی کیا۔(قارئین اس نام کو Henry Martyn Clark خیال نہ کریں جو مباحثہ جنگ مقدس کے حوالہ سے جماعت احمدیہ میں معروف ہے۔اس کا ذکر آگے چل کر تفصیل سے آئے گا)۔ہنری مارٹن نے ایک خطبہ میں برملا کہا:

"The evangelization of India is a more important object than preaching to the European inhabitants of Calcutta"

یعنی ہندوستان کو عیسائی بنانا کلکتہ کے یورپی باسیوں کو تبلیغ کرنے سے زیادہ بڑا اور اہم کام ہے۔

(Henry Martyn: The Comprehensive Biography by George Smith, London, 1892, page 218)

اس ابتدائی دور میں نقض امن کے اندیشہ کے تحت انگریز حکام کی طرف سے عیسائی پادریوں کو برسرعام تبلیغ کرنے کی ممانعت تھی۔یہ بات بھی تاریخ میں محفوظ ہے کہ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings 1732-1818) نے ایک عیسائی پادری کو اس کی نوکری سے اس بات پر برطرف کردیا تھا کہ وہ مقامی آبادی میں عیسائی لٹریچر تقسیم کررہا تھا۔کہا جاتا ہے کہ گورنر جنرل نے اس کا سبب بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ''مقامی آبادی میں عیسائی لٹریچر تقسیم کرنا ایسا ہی ہے جیسا بارود میں گولی چلا دینا''۔اس شدید پابندی کے باوجود عیسائی پادری مستقل مزاجی سے ہندوستان کو عیسائی کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ان سینہ زور پادریوں میں ہنری مارٹن کا نام سرفہرست لیا جاتا ہے۔

(Five Sermons Never Before Published, edited by G T Fox, London 1862, page iv)

عیسائیت کی یلغار پر ہندوستانی مسلمانوں کا رد عمل:

خدائے حکیم کے کام بہت حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ یوں تو اُس کا ہر کام ہی نرالا ہے مگر جہاں اس نے نشان نمائی کرنی ہو، وہاں ایک آسمانی ہوا چلا دیتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں میرؔ، غالبؔ، شیکسپیئرؔ، بوعلی سیناؔ، سقراطؔ، افلاطونؔ سب کے فلسفے دست بستہ حیرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں، اور اس دور میں خدا کا پہلوان یہ کہتا ہے کہ

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اسلام کا مرکز مدینہ سے کوچ کر کے کوفہ پہنچا۔ خلافت راشدہ کا جھٹپٹا تھا کہ مرکز دمشق کی طرف حرکت کرنے لگا اور پھر دمشق میں آ کر ٹھہرا۔ خیر القرون کا دور گزرا تو مرکز مزید مشرق کی طرف آ چکا تھا۔ پھر کبھی بغداد کی سنگلاخ زمینیں اور کبھی عجمی سرزمینوں سمرقند و بخارا کے دامن میں۔ پھر مرکز رہا نہ مرکزیت۔ الجماعت رہی نہ عہد رفتہ کی جمعیت۔ اندلس میں اسلامی سلطنت نے زوال کا منہ دیکھا تو یورپ کی طرف بڑھتے ہوئے اسلام کے قدم وہیں رک گئے۔ مگر استنبول اور ہندوستان کو اسلام کے دو اہم قلعوں کا درجہ دیا جانے لگا۔ عرب سے عجم کا یہ سفر حیرت انگیز ہی نہیں ایمان افروز بھی ہے۔

ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے، اور بجا طور پر ہونا چاہیے، کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر حرکت اور سکون میں ایک اشارہ، ایک سبق، ایک خبر، ایک اصول پایا جاتا تھا۔ جب آپؐ نے اپنے فارسی النسل صحابی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سورۃ الجمعہ کی آیت و اخرین منھم کی تفسیر بیان فرمائی، تو آپ کے کلام کے ساتھ ساتھ آپ کے دست مبارک کا اشارہ بھی اپنے اندر معانی کا ایک سمندر لئے ہوئے تھا۔ پھر سنن نسائی اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ درج ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کے دو گروہوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا، ایک وہ جو ہندوستان کو فتح کرے گا دوسرا وہ جو عیسیٰ ابن مریم کا ساتھ دے گا۔ یہ سب باتیں دین اسلام کے عرب سے عجم کی طرف سفر کا پتہ دیتی ہیں۔ پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔

اس سے بھی پیچھے جائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفرِ کشمیر بھی اہل مذہب کی توجہ کو عرب کے صحراؤں سے عجم کی سرسبز وادیوں اور زرخیز زمینوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔

صوفیاء کرام کے سلسلہ کو بھی جس قدر ہندوستانی فضا راس آئی، شاید ہی دنیا میں کوئی اور سر زمین راس آئی ہو۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا فرید گنج شکر علی ہجویری رحمۃ اللہ اور بہت سے دیگر بزرگان امت ہندوستان کی زمین کو گویا مسیح موعودؑ امام مہدی کی آمد کے لئے تیار کر رہے تھے۔

پھر ہندوستان پر مسیحی پادریوں کی یلغار خود بھی ہندوستان اور کاسر صلیب کے باہمی ربط کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور پھر عام یلغار نہیں، بلکہ ایسی منہ زور یلغار کہ مسلمان انگشت بدنداں، محو حیرت، اپنی ریاست چھنتی دیکھتا ہے، اپنا تخت و تاج چھنتا دیکھتا ہے، اپنی معیشت ہاتھ سے جاتی دیکھتا ہے۔ ایک ایمان رہ گیا سو وہ بھی داؤ پر لگا نظر آتا ہے۔ اس بوکھلاہٹ میں اسلام کے دفاع کے نام پر بہت سی تحریکات کا خمیر ہندوستان کی زمین ہی سے اٹھا۔

دجال کے حملوں پر ہندوستانی مسلمانوں کا ردِّ عمل:

کہیں سر سید احمد خان علیگڑھ تحریک لے کر اٹھے جو اسلام کو مغربی طاقتوں کے لئے قابل برداشت بنانے کی کوشش میں اسلام کی روح کو کھو بیٹھی۔ کہیں جمال الدین افغانی کی فکری تحریک نظر آتی ہے، کہیں عبید اللہ سندھی کی بغاوت کا نشان ملتا ہے، کہیں علامہ عنایت اللہ مشرقی کی خاکسار تحریک کے آثار نظر آتے ہیں۔ کہیں ادب کی سطح پر مسلمانوں کو ان کی شناخت دلانے، انہیں جہالت کی تاریکی سے نکالنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول مراۃ العروس، ابن الوقت، توبۃ النصوح ایسے ہی اصلاحی ادب یا Reformist Literature کی مثال ہیں۔ تعلیم نسواں کے نام پر جہاں حسن علی آفندی نے سندھ مدرسۃ العلم جیسے موقر ادارے قائم کئے وہاں علیگڑھ سے وابستہ ممتاز علی جیسے ترقی پسند بھی موجود تھے جنہوں نے ''تہذیبِ نسواں'' جیسے مجلّے اور ''حقوقِ نسواں'' جیسی کتب لکھ کر عورتوں کو پردے کی قید سے آزاد کرنے کی تحریک چلائی تا کہ انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کیا جا سکے۔ سر سید احمد خان کی بے لگام آزاد خیالی کے ردعمل کے طور پر ''اودھ پنچ'' جیسے رسالے شائع ہوئے جنہوں نے سر سید کی آزاد خیالی کے اثر کو طنز و مزاح کے ذریعے زائل کرنے کی کوشش کی۔ مشہور شاعر اکبر الہ آبادی کی فکاہیہ شاعری کو سب سے زیادہ شائع کیا گیا اور مسلمانوں میں اپنی شناخت کو زندہ رکھنے کا پیغام دیا گیا ہے۔ انہوں نے جہاں سر سید کی آزاد خیالی کو آڑے ہاتھوں لیا، وہاں اسلام کے نام پر انتہا پسندی کا مظاہرہ کرنے والوں کی بھی خبر لی۔ کرامت علی جونپوری اور سید امیر علی اگرچہ مغربی اثر لئے ہوئے تھے مگر اسلام کی تعلیمات کو اسلام کی اصل شناخت کے طور پر متعارف کرانے کے لئے کوشاں رہے۔

شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبد العزیز اور ان کے شاگرد سید احمد شہیدؒ اور ان کے ہم عصر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہر قیمت پر اسلام کے قلعہ پر کسی بھی حملہ کو بزور شمشیر روکنے کے لئے کوشاں رہے۔ حسن ظن تو یہی ہے کہ ان تمام تحریکات اور مساعی کے پیچھے نیت تو درست ہی رہی ہوگی، مگر یہ امر واقعہ ہے کہ ان کی سمت درست نہ تھی کیونکہ یہ تحریکات اور مکاتب فکر خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کر سکے۔ وقتی اثرات مقامی لوگوں یا کسی خاص مکتبِ فکر کے افراد پر ہوئے بھی ہوں تو اسے خاطر خواہ کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ اصل مقصد مسلمانوں کو من حیث القوم فلاح و بہبود کی طرف لے کر جانا تھا کیونکہ اسلام جغرافیائی حدود کا پابند نہیں۔ سب نے اپنی اپنی جگہ کوشش کی مگر خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ غور طلب اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کی طرف آج بھی اشارہ کرتی ہے۔ بالکل جس طرح اسلام سے قبل مذاہب اپنے اندر خیر کے متفرق پہلو رکھتے تھے، مگر یہ فرد فرد ''خیر'' اسلام میں مجتمع ہوگئی، اسی طرح آخری زمانہ میں اسلام کو درپیش مسائل کے حل کے لئے درد رکھنے والے مسلمان اپنی اپنی جگہ کوشش کرتے رہے، ہر کوشش میں خیر کا کوئی پہلو بھی تھا، مگر یہ خیر اجتماعی شکل میں اس شخص کے ساتھ ظہور میں آنی تھی جس نے پیغمبر اسلام، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق، آپ کا ہاتھ تھامے، اللہ تعالیٰ کے اذن سے مبعوث ہونا تھا۔

صلیبی فتنہ کے مقابلہ کیلئے مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور

پس حضرت مسیح موعودؑ کا جب ظہور ہوا اُس وقت اسلام کو چومکھی لڑائی کا سامنا تھا۔ ان حملوں میں سب سے شدید حملہ اس مذہب کا تھا جو مسلمانوں ہی کے مروجہ عقائد کو لے کر ان کے خلاف محاذ آرا تھا۔ مسلمان ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ارتداد اختیار کر کے عیسائی ہوتے چلے جا رہے تھے۔ 24 رجنوری 1893ء کو برطانوی اخبار ''دی ٹائمز'' میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ:

''حال ہی میں بمبئی میں منعقد ہونے والی دس سالہ مشنری کانفرنس میں عیسائی پادریوں کی تبلیغی مساعی کے حیرت انگیز نتائج بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ گزشتہ دہائی کا تجزیہ پیش کرنا مقصود تھا، اس حوالہ سے گزشتہ 9 سالوں کی کارکردگی کے نتیجہ میں مقامی عیسائیوں کی تعداد 492,882 سے بڑھ کر 648,843 ہوگئی ہے۔ یہ اضافہ 1881ء سے لیکر 1890ء تک کا ہے۔ رابطوں میں اضافہ کی شرح اور بھی زیادہ ہے، یعنی 138,254 سے بڑھ کر 215,759۔ جوں جوں مقامی آبادی میں عیسائیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا کام بھی زور پکڑ رہا ہے۔ 1881ء میں Protestant Mission Scools میں مقامی عیسائی طلباء و طالبات کی تعداد 196,360 تھی، جو اب 1890ء میں بڑھ کر 299,051 ہوگئی ہے''۔

(بحوالہ Church Missionary Intelligencer, 1894، از لائبریری چرچ مشن سوسائٹی، آکسفورڈ)

تو یہ تھی ترقی اس مذہب کی جو اسلام پر یلغار کئے ہوئے تھا۔

یہاں یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی کہ جس سن میں حضرت مسیح موعودؑ کی پیدائش ہوئی، اسی سال یعنی 1835ء میں عیسائی پادریوں نے اپنے عزائم کا کھل کر اظہار کیا۔ حضور کی پیدائش 13 فروری 1835ء کو ہوئی۔ 25 مئی 1835ء کو فری چرچ آف سکاٹ لینڈ کی طرف سے ہندوستان بھیجے جانے والے پہلے پادری الیگزینڈر ڈَف (Rev Alexander Duff) نے فری چرچ آف سکاٹ لینڈ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کیا۔ اس خطاب کے آغاز میں انہوں نے کہا

''وقت اجازت دے تو ہندوستان کی تصویر پیش کروں گا جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا، اور اکھڑ سے اکھڑ آدمی بھی تسلیم کر لے گا کہ ہندوستان ہی ہے جو اس وقت شیطان کی زمینی مملکت کا دار الحکومت ہے۔ یہیں شیطان سب سے زیادہ کھل کھیل رہا ہے۔۔۔''

(The Church of Scotland's India Mission OR A Brief Exposition of the Principles on Which That Mission Has Been Conducted in Calcutta, Being The Substance of An address Delivered Before The General Assembly of the Church, On Monday, 25th May, 1835 by Rev Alexander Duff A.M., Printed by John Waugh, Printer to the Church of Scotland)

پس جس سال خدا تعالیٰ کے فرستادہ کی پیدائش ہوئی، اسی سال عیسائیت نے عالم اسلام پر اپنے پنجے گاڑنے کے منصوبے کا گویا کھلم کھلا اعلان کیا۔

زمانی پہلو کے علاوہ مکانی پہلو بھی غور طلب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ہوئی۔ یہ وہی مقام تھا جسے عیسائی پادریوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا

مرکز بنا رکھا تھا۔ برطانوی ہندوستان پر سند کا درجہ رکھنے والی مشہور پروفیسر آرول این پاول (Arvil Ann Powell) نے لکھا ہے:

"The central region of the Punjab chosen by the Christian missionaries as the heartland for their evangelistic activities was also the catchment area for Ahmadi initiation. The two adjoining districts of Amritsar and Gurdaspur, the former the hinterland of the sacred city of Sikhs and the Anglican missionary headquarters, and the latter the homeland of Mirza Ghulam Ahmad, were by the early 1890s at the centre of competition between rival religious minorities".

(ترجمہ: عیسائی پادریوں نے وسطی پنجاب کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے مرکز کے طور پر منتخب کیا۔ وسطی پنجاب جو کہ جماعت احمدیہ کی جائے تاسیس بھی ہے۔ امرتسر اور گرداسپور ملحقہ اضلاع ہیں، جن میں سے پہلا سکھ مذہب کا مرکز اور دوسرا مرزا غلام احمد کا وطن۔ یہ دونوں اضلاع 1890 کی دہائی کے آغاز میں مذہبی اقلیتوں کے مقابلہ کا میدان تھے)

(Avril Powell (1995): Contested gods and prophets: discourse among minorities in late nineteenth-century Punjab, Renaissance and Modern Studies, 38:1, 38-59)

خدا تعالیٰ کے کام اور اس کے کاموں کی سکیم کیسی نرالی ہے۔ ابھی بھی لوگ پوچھتے ہیں کہ ہندوستان میں نبی مبعوث کرنے میں کیا حکمت تھی!! ہم تو اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اللّٰہ خیر الماکرین۔ حضورؑ نے اس سنگین خطرے کو بھانپتے ہوئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عظیم الشان کام کا آغاز فرمایا تو ''براہین احمدیہ'' تحریر فرمائی۔ یہ حضورؑ کی منظر عام پر آنے والی پہلی تصنیف لطیف تھی۔ پانچ حصوں پر مشتمل اس معرکۃ الآراء تصنیف کے آغاز میں ہی حضورؑ نے عیسائیت کے سیلاب تند اور مسلمانوں کے لئے اس کے ممکنہ نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔دیکھو عیسائیوں کا دین کہ جس کا اصول ہی اوّل الدّن درد ہے، پادریوں کی ہمیشہ کی کوششوں سے کیسا ترقی پر ہے اور کیسے ہر سال اُن کی طرف سے فخریہ تحریریں چھپتی رہتی ہیں کہ اس برس چار ہزار عیسائی ہوا، اور اس سال آٹھ ہزار پر خداوند مسیح کا فضل ہوگیا۔ ابھی کلکتہ میں جو پادری ہیکر صاحب نے اندازہ کرسٹان شدہ آدمیوں کا بیان کیا ہے، اس سے ایک نہایت قابل افسوس خبر ظاہر ہوتی ہے۔ پادری صاحب فرماتے ہیں کہ جو پچاس سال سے پہلے تمام ہندوستان میں کرسٹان شدہ لوگوں کی تعداد صرف ستائیس ہزار تھی، اس پچاس سال میں یہ کارروائی ہوئی جو ستائیس ہزار سے پانچ لاکھ تک شمار عیسائیوں کا پہنچ گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!! اے بزرگو!! اس سے زیادہ تر اور کون سا وقت انتشار گمراہی کا ہے کہ جس کے آنے کی آپ لوگ راہ دیکھتے ہیں ایک وہ زمانہ تھا جو دین اسلام یدخلون فی دین اللہ افواجا کا مصداق تھا، اور اب یہ زمانہ!! کیا آپ لوگوں کا دل اس مصیبت کو سنکر نہیں جلتا؟ کیا اس وباءِ عظیم کو دیکھ کر آپ کی ہمدردی جوش نہیں مارتی؟''

(براہین احمدیہ، حصہ دوم، بار اوّل 1880ء، روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 68، مطبوعہ لندن، 1984)

پس عیسائیت کی یلغار اسلام کے لئے بڑے خطرات میں سے ایک تھی۔ کوئی اس حقیقت سے انکار کرے تو ہم اسے تاریخ سے ناواقفیت کہنے پر اکتفا کریں گے، ورنہ اسے اسلام سے عدم محبت یا کج بحثی یا پھر اختلاف برائے اختلاف سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت اقدسؑ مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام مسیح موعود، امام مہدی نے اس نازک صورتحال میں اسلام کے دفاع کے لئے کیا کیا؟

یہ سوال نہایت اہم ہے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا جواب تفصیل کا متقاضی ہے۔

مسیح پاک کا عظیم الشان کارنامہ، کسر صلیب:

عیسائیت کی یلغار کے آگے بند باندھنا ہی فی ذاتہٖ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ کجا یہ کہ اس یلغار کا دندان شکن جواب دیا جائے۔ پھر حالات کیا تھے؟ اس کا جواب سننے سے پہلے یہ سن لیں کہ معاندین نے جو نام حضرت مرزا صاحب کے ہم عصروں میں سے پیش کئے ہیں ان میں سرفہرست سر سید احمد خان کا نام ہے۔ سید احمد ان کا نام ہے، Sir کا خطاب نام کے ساتھ لگا ہے، جو ان کی دنیوی قابلیت کا پتہ دیتا ہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کا زیور سوا لگ۔ والد کی وفات ہوئی تو بجنور میں East India Company کے یہاں ''صدر امین'' کے عہدے پر فائز ہوگئے۔

سید امیر علی اور مولوی چراغ علی کے نام بھی مقابل پر سننے کو ملتے ہیں۔ سید امیر علی انگلستان کے تعلیم یافتہ تھے۔ لندن میں واقع اور دنیا بھر میں مشہور Inner Temple سے وابستہ ہو کر بیرسٹر ہوئے۔ لندن میں قیام 1869 اور 1873 کے درمیان رہا جس دوران انگریز طبقہ اشرافیہ کے ساتھ راہ ورسم بڑھی۔ انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ 1873 میں واپسی پر کلکتہ ہائی کورٹ میں وکالت کے پیشہ کا آغاز۔ اسی سال ان کی مشہور کتاب A Critical Examination of the Life and Teachings of Mohammed منظر عام پر آئی۔ اس کتاب پر مشہور مستشرق Maj R D Osborn نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''۔۔۔ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے اس پایہ کی کوئی دوسری کتاب نہیں۔۔۔''

مولوی چراغ علی پہلے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کے ساتھ مسلمانوں کی بیداری کی تحریک میں شامل رہے مگر حضورؑ کے دعوے کے بعد علی گڑھ تحریک کا حصہ بن گئے۔ اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کی کوشش کو مشہور مستشرق Bishop Kenneth Cragg کے الفاظ میں پیش کرنا کافی ہے:

"...an attempt to chart an Anglophile future for the Muslim community..."

(Call of the Minaret, Bishop Kenneth Cragg, One World Publications Oxford 2008)

یعنی مسلمانوں کو ایک انگریز پرست رجحان دینا۔

یہ تو تھے دنیوی طور پر بڑے عہدے، اعلیٰ تعلیمی قابلیت، نام ونسب، مقام و مرتبہ، دولت و ثروت رکھنے والے مسلمان۔ ان کا ردعمل مسلمانوں کو انگریزیت کا لبادہ اوڑھنے کی طرف لے جانے کی ایک کوشش تھی۔ مگر اس صورتحال کا اصل حل اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے ذریعہ ظاہر کروانا تھا جس کے پاس ''براہین احمدیہ'' شائع کرنے کے لئے بھی رقم موجود نہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی بندے کے ذریعہ الیس اللہ بکاف عبدہ کا نشان ظاہر فرمانا تھا۔

ادھر دیوبندی، بریلوی، وہابی بھی سب برطانوی راج کو اپنے اپنے زاویہ سے دیکھتے رہے۔ اگرچہ ان کے ردعمل میں عمومی تاثر بوکھلاہٹ کا ہے، مگر یہ معروف دھڑے تھے، ادارے تھے۔ انگریز کی سیاسی اور مذہبی حیثیتوں کو جدا جدا نہ سمجھنے کے نتیجہ میں confusion غالب رہی۔ پھر کہیں اگر عیسائی مذہب کے عقائد کا جواب دینے کی کوشش کرتے بھی تو خود اپنے ہی عقائد انہیں دو قدم چلنے نہ دیتے۔ جو تفہیم انہیں قرآن کی ہوئی وہ درست تفہیم نہ تھی۔ حیات مسیح کا عقیدہ جسے مسلمان اپنا عقیدہ بتاتے پھرتے تھے حضرت محمد مصطفی ﷺ کا عقیدہ نہ تھا۔ آپؐ کے صحابہ کا عقیدہ نہ تھا۔ خلفائے راشدینؓ کا عقیدہ نہ تھا۔ یہ عقیدہ تو غلط فہمی، مداہنت، مذہب پر ثقافتی اثرات اور دشمنان اسلام کی سنگین سازش کا نتیجہ تھا۔

مسلمانوں میں عقیدہ حیات مسیح:

تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ جہاں اس غیر اسلامی عقیدہ کا ذکر ملتا ہے وہ اس وقت ہے جب دشمن اسلام عبداللہ بن سبا مسلمان کا روپ دھارے اسلامی سلطنت میں شامل ملکوں ملکوں پھرتا اور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے اور بغاوت پر اکسانے کے لئے کوشش میں مصروف رہتا۔ اسے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے ہمیشہ دو طرح کے طبقات کی تلاش رہتی: ایک وہ جو کسی غلطی کی پاداش میں تعزیر کا شکار ہوتے اور دوسرے وہ جو مرکز سے دوری کے باعث دین اسلام کی تعلیم و تربیت سے قدرے محروم ہوتے۔ عبداللہ بن سبا کو جب مرکز اسلام اور اس کی قریبی امارات میں خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہوئے تو اس نے مصر کا رخ کیا۔ یہاں لوگ بکثرت عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے اور مرکز سے دوری کے باعث ان کا علم اسلامی عقائد کے بارہ میں بہت پختہ نہ تھا۔ یہاں عبداللہ بن سبا نے ان نومسلموں کو ان کے گزشتہ عقائد کے حوالہ سے بھڑکاتا اور کہتا کہ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو دوبارہ دنیا میں آنا ہے، یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کے بعد تم نے جس نبی کو مانا ہے وہ ایک مرتبہ وفات پا جائے اور پھر دوبارہ دنیا میں نہ آئے۔ لوگوں کو خلافت راشدہ کے خلاف بھڑکانے کے لئے وہ اپنے اس خودساختہ عقیدہ کی بنیاد قرآن کریم کی آیت اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص: ۸۶) یعنی وہ خدا جس نے قرآن کریم تجھ پر فرض کیا ہے تجھے ضرور لوٹنے کی جگہ کی طرف واپس لاوے گا۔ یوں وہ خلافت راشدہ کی عدم ضرورت کو ثابت کر کے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا اور حضرت علیؓ کے مقام کو اس طرح بیان کرتا کہ خلیفہ وقت کے بارہ میں یہ تاثر ملتا گویا معاذاللہ انہوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کر رکھا ہے۔

(تفصیل کیلئے ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' از حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود، خلیفۃ المسیح الثانی، رضی اللہ عنہ بحوالہ تاریخ طبری)

بعد میں جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور دور دراز کے خطوں تک پہنچا تو عیسائی بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ تربیت کا مناسب انتظام نہ ہونے کے باعث یہ عیسائی حیات مسیح کے مسئلہ پر

راسخ العقیدہ تھے اور اسے ترک نہ کرتے۔ پھر جنگوں کے زمانہ میں جو مسلمان بطور جنگی قیدی مسیحی عملداری کی سرزمینوں میں قید و بند میں وقت گزارتے وہ بھی مسیحی مذہب کے اثرات لے کر واپس وارد ہوتے۔ یوں یہ عقیدہ جو کبھی بھی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدہ نہ تھا، مسلمانوں میں بھی راہ پا گیا۔

بدقسمتی دیکھئے کہ جو عقیدہ مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لئے ایک دشمنِ اسلام نے گھڑا، اسے مسلمانوں نے بدل و جان قبول کر لیا اور پھر یہی عقیدہ مسلمانوں کی تبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ مگر وہ نہ صرف اس عقیدہ سے چمٹے رہے بلکہ اس عقیدہ سے وابستہ مشکلات سمجھنے سے قاصر رہے۔ چونکہ اس دور کے جید علماء بھی اسی عقیدہ کو مانے ہوئے تھے، یہ حقیقت بذات خود اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ مسئلہ علمِ محض، عقلِ محض اور حسیات کی دنیا سے حل ہونے والا نہیں تھا۔ اسے بہرحال آسمان ہی سے حل ہونا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر طرح کی تحریک، فکری، روحانی، سیاسی، فلاحی، مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے سے قاصر رہی۔ ایسے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

میں وہ پانی ہوں آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

کاسرِ صلیب، مسیح پاک کا ایک اور زبردست کارنامہ، عقیدۂ وفات مسیح:

پس کسرِ صلیب کے اس کام میں حضرت مسیح موعودؑ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس حیات مسیح کے غیر اسلامی عقیدہ کو قرآن کریم ہی کی تیس آیات سے باطل کر کے دکھایا اور وفاتِ مسیح کے اسلامی عقیدہ سے آگاہی بخشی۔ آپؑ نے اس غلط عقیدہ کے ہمہ گیر نقصانات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''عیسیٰؑ کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی حیات ہے''۔ آپؑ نے اس عقیدہ کو قرآن کریم، احادیثِ نبویؐ، اقوال بزرگان سلف کے علاوہ عقلی نقلی، منطقی، طبی اور تاریخی اعتبار سے ثابت فرمایا۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات ''ازالۂ اوہام''، ''آئینہ کمالاتِ اسلام''، ''آسمانی فیصلہ''، ''مسیح ہندوستان میں''، ''رازِ حقیقت''، ''حقیقت المہدی''، ''انجامِ آتھم''، ''چشمۂ مسیحی''، ''کتاب البریہ'' اور ''اتمام الحجۃ''(دیکھئے:

(www.alislam.org/rk

یہی ایک عقیدہ تھا جس پر عیسائی تبلیغی مہمات کی بنیاد تھی اور اسی کو پیش کر کے وہ مسلمانوں کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں عیسائی کر رہے تھے۔ پاکستان کے مشہور محقق اور مصنف فضل الرحمن((88-1918 نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے عیسائی تبلیغی سرگرمی کا پرزور جواب دیا۔ (بحوالہ Encyclopaedia of Islam: New Edition زیر عنوان ''احمدیہ''، جلد اوّل، صفحہ 301، مولفہ W.S. Smith، مطبوعہ Brill, (1960

انسائیکلوپیڈیا کے محولہ بالا مضمون میں بتایا گیا ہے کہ پادری C G Pfander نے اپنی کتاب ''میزان الحق'' میں لکھا ہے کہ:

''مدینہ میں، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ناقل) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کی قبروں کے درمیان ایک قبر کی جگہ خالی نظر آتی ہے۔ اس مقام کو مسلمان عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی قبر کا مقام کہتے ہیں۔ یہ قبر کی جگہ ہمیشہ سے خالی ہے۔ یہ خلا مسلمانوں کو یاددہانی کرواتا ہے کہ یسوع زندہ ہے اور محمد وفات یافتہ''

(C G Pfander, Mizan ul Haq, The Religious Tract Society, London 1910)

عیسائی ؍مسلم معاملات پر گہری نظر رکھنے والے مشہور محقق Dr Jan Slomp نے اپنے ایک مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ پادری فینڈر کا یہ موقف عیسائی مشنریوں کے کام میں مہمیز کا کام کرتا تھا اور مرزا غلام احمد (علیہ السلام) نے نہ صرف اسے رد کیا بلکہ عیسیٰؑ کے مزار کی دریافت کا اعلان کر کے اس روایتی عقیدہ کا رد کیا جس کے مطابق مسلمان بھی عیسیٰؑ کو زندہ مانتے تھے۔

(Debates on Jesus and Muhammad in Europe, India and Pakistan by Dr Jan Slomp, مشمولہ مجموعہ مضامین بیاد David Kerr بعنوان،

World Christianity in Muslim Encounter,Continuum Publishing House 2009)

پادری فینڈر کی کتاب ''میزان الحق'' عیسائی پادریوں کا سب سے بڑا ہتھیار تھی۔ اس حقیقت کا بیان ہمیں مشہور جرمن نژاد عیسائی محققہ اور مصنفہ Christine Schirrmacher کی اس تحریر سے ملتا ہے:

"mizan al-haqq, the standard work of encounter between Christianity and Islam, was used by generations of Christian missionaries as an aplogetic tool to refute Islam, and for this reason it was reprinted many times up until present...and these reprints are still used today for missionary activities among Muslims"

(ترجمہ: میزان الحق عیسائی مسلم مقابلہ میں ایک مسلمہ دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے عیسائی پادریوں نے نسلوں تک مباحثہ میں ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ متعدد مرتبہ طبع ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہوتی ہے۔ اسے آج بھی عیسائی تبلیغ کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے)۔

(The Islamic View of Major Christian Teachings, by Christine Schirrmacher, World Evangelical Alliance 2008)

یعنی پادری فینڈر کا حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کر کے مسلمانوں کو بہکانے کا گُر عیسائی منادوں کی سرگرمیوں کی جان تھی۔ ایسے میں ''عیسیٰ کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی حیات ہے'' وہ انقلاب انگیز بیان تھا جو صرف اور صرف حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں آنے والے کاسر صلیب ہی کے منہ سے ادا ہونا تھا اور اس کے ساتھ ہی کسر صلیب کے عظیم الشان کام کی بنیاد رکھی جانی تھی۔

بالعموم پادریوں یا مستشرقین کو اس بات میں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے کہ حیات مسیح کو قرآن کریم سے ثابت کیا جائے اور مسلمانوں کی اس غلط تشریح کو درست ثابت کیا جائے۔ مگر Bishop Kenneth Cragg اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ حضرت مرزا صاحب (علیہ السلام) نے حیات مسیح اور مسیح کی آمد ثانی سے وابستہ روایتی مسلم عقائد کو رد کیا کیونکہ ''یہ عقائد روایات پر مبنی تھے، قرآن پر نہیں''۔

(Call of the Minaret, Bishop Kenneth Cragg, p224, One World Publications Oxford 2008)

یہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور آپ کی تبلیغ کا ثمرہ ہی ہے کہ پادری حضرات بھی، جن کی زندگی کا مقصد عیسائیت کی برتری ثابت کرنا اور حیات مسیح کا پرچار کرنا ہے، وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ حیات مسیح کا عقیدہ جو بھی ہو، قرآنی نہیں۔

عیسائی پادریوں سے مقابلے:

حضرت مسیح موعودؑ نے جب یہ ثابت کر دکھایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی رو سے وفات یافتہ ہیں، تو آپؑ کو عیسائیوں کی طرف سے تو خیر جو مخالفت کا سامنا ہوا سو ہوا، خود مسلمان بھی آپ کے دشمن بن بیٹھے۔ اس صورتحال میں آپؑ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس جہاد کا عملی نمونہ بن گیا جو اس دور کا افضل ترین جہاد تھا۔ کیا تحریر اور کیا تقریر، کیا حرکت اور کیا سکون، کیا سفر اور کیا حضر، آپؑ ہمہ وقت باطل عقائد کے مقابلہ پر کمربستہ رہے۔

معروف مستشرق Wilfred Cantwell Smith نے اپنی مشہور تصنیف Modern Islam in India میں لکھا ہے کہ:

''احمدیت کا ظہور انیسویں صدی کے آخر میں ہوا جب اسلامی معاشرہ شکست و ریخت کا شکار تھا، نئی تہذیبیں زور پکڑ رہی تھیں۔ احمدیت تازہ تر رویوں کے ساتھ عیسائی پادریوں اور علیگڑھی اسلام کے خلاف ایک یلغار کی صورت نمودار ہوئی۔ احمدیت کی یلغار عیسائیت، عیسائی تبلیغی سرگرمیوں، اور سرسید احمد خان کی مغرب پرستی اور اسلام کی شکست و ریخت کے خلاف تھی''۔

(ترجمہ از انگریزی)

پس خدا کا یہ پہلوان اس چومکھی لڑائی میں ہر اس طاقت کے خلاف نبرد آزما رہا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی تھی۔ آپ نے اسلام کو مغربی فلسفہ یا عمرانیات کی کسوٹی پر قابل قبول ثابت کرنے کی نام نہاد اسلامی کوششوں کے مقابل پر قرآن کریم اور احادیث نبویؐ، یعنی اسلام کی بنیادی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کو ثابت فرمایا۔

یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ آپ کسی دھڑے، کسی ادارے، کسی تنظیم، کسی حکومت یا کسی حکومت نواز ادارے سے منسلک نہیں تھے۔ آپ تنہا تھے۔ پھر دنیوی حالت یہ کہ باضابطہ تعلیم نہ ہونے کے برابر۔ ملازمت کا بہت مختصر تجربہ۔ مالی حالات مخدوش۔ تمام وقت خلوت نشینی کی نذر (جو باہر سے دیکھنے والے کے لئے محض خلوت نشینی ہے مگر جہاں گہرا دینی مطالعہ، استغراق، ہمدردیٔ اسلام اور عبادات کے بے مثال نمونے قائم ہوئے)، انگریز کے ساتھ جذبہ خیر خواہی کے علاوہ اور کوئی ذاتی سطح کے گہرے مراسم نہیں۔ (یہ خیر خواہی بھی محض دین کی بنیاد پر تھی کہ انگریز مذہبی آزادی دیتے تھے اور یوں اسلام کی تبلیغ اور اسلامی طرز پر زندگی کو بسر کرنا آسان تھا)۔ دنیوی لحاظ سے کوئی وجہ شہرت نہیں۔ سکونت کسی دہلی، کسی علیگڑھ یا کسی کلکتہ، یا کسی بمبئی، کسی بریلی میں نہیں۔ بلکہ ایک ایسے قصبہ میں جسے صرف وہی لوگ جانتے ہونگے جنہیں اس شہر کی منڈی یا شہر کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ پھر مالی لحاظ سے وہ بے سروسامانی کہ ایک پمفلٹ شائع کروانا ہے تو چندہ درکار ہے، اور چندہ کی بظاہر کوئی صورت نہیں۔ توکل ہے تو اللہ جل شانہ پر اور اس کے اس الہام پر کہ الیس اللّٰہ بکاف عبدہ۔

دیگر اشخاص تو تحریکات سے وابستہ تھے۔ مکاتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ انگریز طبقہ اشرافیہ سے گہرے مراسم کے حامل تھے۔ مغربی تعلیم سے آراستہ تھے۔ ان کی تحریکات، ان کے خزانے، ان کی پشت پر بڑی طاقتوں کے ہاتھ انہیں منزل پر نہیں پہنچا سکے۔ اسلام کی فلاح کا کوئی پیغام کارگر ہوا تو میرے آقا حضرت مرزا غلام احمد

صاحب قادیانی علیہ السلام کا۔ یہ ثبوت آپؑ کی صداقت کا کیا کم ہے؟

عیسائی پادریوں کا ردعمل:

پھر یہ دیکھئے کہ دوسری طرف ردعمل کیا ہے۔ساری خدائی ایک طرف اور یہ خدا کا پہلوان ایک طرف۔مگر مخالف کیمپوں میں ایک کھلبلی محسوس ہوئی۔عیسائی پادریوں کو اپنی تمام تر حکمت عملی پر نظر ثانی کرنا پڑی۔اب تک مسلمان حلقوں کی طرف سے جو بھی ردعمل سامنے آیا اس میں حضرت عیسیٰؑ کو زندہ ہی تصور کیا گیا، اور یہی عیسائی تبلیغ کی جان تھی۔مگر اب جو جواب مرزا صاحب علیہ السلام کی طرف سے سامنے آیا، اس نے عالم عیسائیت میں بے چینی پھیلا دی۔آگے چل کر ہم دیکھیں گے اور ثابت کریں گے کہ کس طرح Protestant چرچ کے مرکزی بین الاقوامی اجلاسات میں جماعت احمدیہ مسلمہ کو عیسائیت کے عقائد کے لئے ایک خطرہ کے طور پر دیکھا گیا اور زیر بحث لایا گیا۔

سر دست ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عیسائی مبلغین نے تمام عالم اسلام سے اگر کسی جواب کو قابل ذکر سمجھا ہے تو وہ کون سا جواب ہے۔

مشہور و معروف جرمن عیسائی محقق اور مسیحی پادری Julius Richter لکھتے ہیں:

’’ہندوستان بھر میں اگر کہیں اسلام میں زندہ رہنے کی رمق نظر آئی ہے تو وہ صرف U.P. اور پنجاب ہیں، اور ان مقامات پر بھی اس کا مرکز سر سید احمد خان اور مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ السلام۔ناقل) ہیں‘‘۔

(Julius Richter D. Theo. D.D. , A History of Missions in India, Translated to English by Sydney H. Moore, Oliphant Anderson & Ferrier, Edinburgh and London 1908)

یہ دو ردعمل ہی ہیں جو عیسائیوں کے لئے قابل ذکر ہیں، مگر ان دونوں میں سے بھی سر سید احمد خان کے ذکر پر مصنف نے ایک پیراگراف لکھ کر باقی کا تمام باب حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیمات کو بیان کرنے پر صرف کیا۔سر سید احمد خان سے تو ظاہر ہے کہ عیسائیت کو کوئی خطرہ نہیں تھا، مگر حضرت مرزا صاحب کی تعلیمات نے عیسائی مذہب کی بنیاد ہلا کر رکھ دی۔سو اس مضمون میں بھی مصنف کی وہ نفرت صاف عیاں ہے جو اس کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کے لئے تھی، مگر اس کے باوجود وہ حضورؑ کی غیر معمولی شخصیت اور آپؑ کی تعلیمات کی غیر معمولی تاثیر کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکا۔اپنے اس مضمون میں وہ یوں رقمطراز ہے:

"Ghulam is a remarkable man. He writes clever books, and in such elegant Urdu, Persian and Arabic that he is able to challenge his opponents in the most graceful Arabic literary articles to admit or to disprove his divine mission; besides this he has also inaugurated an English Magazine, *The Review of Religions*, the lengthy pages of which he fills almost singlehanded. He has not only read the Old and New Testaments thoroughly, but is likewise acquainted with certain apocryphal works such as e.g., the "*The Gospel According to St Barnabas*", and with novels such as that of the Russian author, Nicholas Notovitch, the "*The Unknown Life of Christ*")

(ترجمہ: غلام احمد (علیہ السلام) ایک غیر معمولی آدمی ہیں۔وہ ذہانت پر مبنی کتب لکھتے ہیں اور وہ بھی ایسی پر اثر اردو، فارسی اور عربی میں کہ وہ اپنے مخالفین کو انتہائی اعلیٰ عربی میں چیلنج دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی پایہ کی زبان میں جواب دے کر ان کے للہی مشن کے مقابلہ پر آئیں۔اس کے علاوہ انہوں نے ایک انگریزی رسالہ ’’ریویو آف ریلیجنز‘‘ بھی جاری کر رکھا ہے جس کے بیشتر صفحات وہ اکیلے ہی تحریر کرتے ہیں۔انہوں نے نہ صرف عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید اچھی طرح پڑھ رکھا ہے بلکہ دیگر عیسائی غیر مصدقہ لٹریچر مثلاً برنباس کی انجیل، نیز ادب مثلاً روسی مصنف نکولس ناٹووچ کا ناول ’’مسیح کی نامعلوم زندگی‘‘ کا بھی مطالعہ کر رکھا ہے)۔

(بحوالہ محولہ بالا کتاب Julius Ritcher DD,)

اپنوں اور غیروں کے بیانات دیکھ لیجئے!

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے علاوہ اور کون تھا جو اسلام کی اساس سے وابستہ رہتے ہوئے، معاندین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ کرتا ہو، اور پھر صرف یہی نہیں، بلکہ انہیں شکستِ فاش دیتا ہو۔

اس سے پہلے کہ ہم عیسائی مناظروں کے ساتھ حضرت اقدسؑ کے مقابلہ کا تذکرہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیکھا جائے کہ اس وقت اس سلسلہ میں دیگر مسلمان کیا کوشش کر رہے تھے؟

عیسائی منادوں کے مقابلہ کی کوششیں قبل از حضرت مسیح موعود علیہ السلام:

عیسائیوں سے مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت اقدسؑ کے علاوہ جو واحد قابل ذکر نام ملتا ہے وہ رحمت اللہ کیرانوی صاحب کا ہے۔رحمت اللہ کیرانوی ((1818-1891) نے 1854ء میں آگرہ کے مقام پر چرچ مشن سوسائٹی کے نمائندہ، جرمن نژاد پادری C G Pfander (1803-1865) کے ساتھ مناظرہ کیا۔یہ مناظرہ صرف دو دن جاری رہا۔اس مناظرہ کے لئے جو موضوعات طے پائے تھے، وہ یہ تھے: عقیدۂ تثلیث، قرآن کا الہامی ہونا اور رسالت حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔مگر دونوں دن بات صرف انجیل کے محرف ہونے سے آگے نہ بڑھ سکی۔الہایات اور عقائد، کیا عیسائی اور کیا اسلامی، زیر بحث نہ آئے۔تاہم تمام مناظروں کی طرح دونوں فریقین اپنی اپنی فتح کا اعلان کرتے رہے۔یہ واحد قابل ذکر ہے جو عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہوا۔

یہاں یہ بات بھی قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی کہ رحمت اللہ کیرانوی صاحب، حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور سے قبل عیسائی پادریوں کے فتنہ کو اسلام کے لئے ایک خطرہ سمجھنے والا واحد شخص تھے آپ اس سنگین صورتحال میں اس خیال کہ اظہار کرتے ہیں کہ یہ یقینا امام مہدی اور مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے۔پھر حضرت مسیح موعودؑ کا ظہور ہوتا ہے۔1889 سے لیکر 1891 کا زمانہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے اعلان دعویٰ کا زمانہ ہے۔اس دوران بھی کسر صلیب کا کام مسلسل جاری رہا۔مگر 1893 میں وہ مرحلہ آیا جہاں امام مہدی اور صلیب آمنے سامنے کھڑے پائے گئے۔یہ اسلامی تاریخ کا وہ زمانہ تھا جس کی پیش گوئی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی تھی۔عیسائی پادریوں کی شوخی اس درجہ بڑھ گئی کہ وہ علی الاعلان کہتے پھرتے تھے کہ کون ہے مسلمانوں میں جو ان کے عقائد کا مقابلہ کر سکے۔کوئی ہے تو سامنے آئے۔مسلمان جا بجا پھرتے، نام نہاد علماء و مشائخ اور انجمنوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے، مگر کوئی نہ تھا جو اسلام کا دفاع کرتا۔زبانی کوئی جو مرضی دعوے کرتا پھرے، مگر عملاً حالت یہی تھی کہ

ہر طرف کفر است جوشاں، ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں
کثرتِ اعدائے ملت اور قلتِ انصارِ دیں

کوئی افسانوی یا شاعرانہ خیال نہ تھا بلکہ حالات زبان حال سے اسی کے غماز تھے۔ ایسے میں حضرت مسیح موعودؑ اس بے قراری اور تڑپ کا شکار ہوتے ہیں جو کہیں اور نہ ملتی تھی نہ مل سکتی تھی۔آپؑ نے جو فرمایا کہ

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے
اے میرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بے قرار

تو یہ ملت اسلام کے کس درجہ درد میں لکھا ہوگا، اس کا اندازہ آپ کی شبانہ روز کوششوں سے ہوتا ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر ان دعاؤں سے ہوتا ہے جو آپ نے دین اسلام کی سربلندی کی خاطر مانگیں۔

یاالٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار
دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفیؐ
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار
فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد
پھیر دے اب میرے مالک اس طرف دریا کی دھار

جنگِ مقدس:

جس سال آگرہ کے مقام پر رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فینڈر کا مناظرہ ہوا، اسی سال یعنی 1854 میں جنڈیالہ ضلع امرتسر کے مقام پر عیسائی مشن کی بنیاد رکھی گئی۔1882 میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک (Dr Henry Martyn Clark M.D. Edinburgh) نے جنڈیالہ میں میڈیکل مشن کی بنیاد بھی رکھ دی جو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایک نیا سنگ میل ثابت ہوا۔عیسائی مناد گلی گلی مؤذن کرتے اور مسلمانوں کو عیسائیت کی آغوش میں لینے کی کوشش کرتے، اور اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوتے۔ایسے میں مخلص مسلمانوں کا پریشان ہونا قدرتی امر تھا۔جنڈیالہ کے ایک مسلمان محمد بخش پاندہ، باوجود واجبی تعلیمی قابلیت کے ان منادوں کا جواب دینے کی کوشش کرتے اور اپنے ساتھ اور مسلمانوں کو بھی شامل کرتے۔اس صورتحال سے آگاہی پاکر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے مسلمانان جنڈیالہ کو دعوت دی کہ وہ خود یا کسی بھی مسلمان عالم دین کو مقابلہ پر لانا چاہیں تو بڑے شوق سے لے آئیں۔اگر ایسا نہ کر سکیں تو آئندہ کے لئے اپنے عقائد کو باطل خیال کر کے ان پر خاموشی اختیار کریں۔

جنڈیالہ کے مسلمانوں نے بڑی بڑی انجمنوں اور بڑے بڑے علماء اسلام کو اس مشکل گھڑی میں دعوت دی کہ وہ اسلام کا دفاع کریں، مگر کوئی سامنے نہ آیا۔کچھ نے تو محض جواب ہی نہ دیا اور دیگر یہ سوالات پوچھتے رہ گئے کہ ان کے سفر اور قیام و طعام کا خرچ کون برداشت کرے گا؟

مسلمانوں کی اس بے بسی کا اندازہ عیسائیوں کو بھی تھا۔چنانچہ چرچ مشنری سوسائٹی کے مرکزی ترجمان Church Missionary Intelligencer میں شائع ہونے والی ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی رپورٹ میں اس صورتحال کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

"The gauntlet thrown down produced the greatest consternation. The

Mohammedans were aghast. What could they do? And yet, something must be done. They addressed themselves to various Societies for the Aid of Islam, and bistirred themsleves to find a champion, but none appeared. Three weeks went by, the wager of battle still lay unaccepted. Jandiala Mohammedans were in dire straits, when, to their intense relief, they found a defender in a certain Mirza Ghulam Ahmed of Qadian. This man is a somewhat remarkable personage, and one of great interest to the missionary."

(ترجمہ: اعلان جنگ ہو چکا تو اس سے بہت ہلچل پھیلی۔ مسلمان بوکھلا گئے۔ وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ مگر کچھ کرنا تو تھا! وہ بہت سی انجمنوں کے پاس اسلام کی مدد کرنے کی اپیل لے کر گئے اور انہیں اسلام کے دفاع کے لئے ایک نمائندہ پیش کرنے کی استدعا کرتے رہے، مگر بے سود! کوئی سامنے نہ آیا۔ تین ہفتے گزر گئے اور جنگ کے مقابلہ کو قبول کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جنڈیالہ کے مسلمان بے حال تھے، کہ ایسے میں انہیں مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ السلام) نامی ایک شخص بطور اسلام کے نمائندہ کے مل گیا۔ اس پر انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ یہ آدمی ایک غیر معمولی شخصیت کا مالک ہے اور عیسائی پادریوں کی توجہ کا مرکز)

(The Church Missionary Intelligencer, p96, Vol XLV, 1894 Church Missionary Society, London)

اس چیلنج کے مل جانے پر مسلمانوں کی بے بسی کا اندازہ Missionary Herald مطبوعہ باسٹن، امریکہ میں شائع ہونے والی اس رپورٹ سے بھی لگایئے:

" There was much doubt in regard to the expediency of this challenge, but after it was done it was found that the Mohammedans were in great fear lest they should be unable to find an able champion".

"This Man, Ghulam Ahmed...was deemed superior in ability, was chosen and consented to represent Islam against Christianity."

(ترجمہ: ویسے تو اس چیلنج کے بارہ میں ہی شکوک شبہات تھے، مگر جب چیلنج دے دیا گیا تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو تشویش لاحق ہے کہ انہیں کوئی مناسب نمائندہ ملے گا بھی یا نہیں! یہ شخص، یعنی غلام احمد (علیہ السلام) قابلیت میں سب سے اعلیٰ پایا گیا اور اسے بالاتفاق عیسائیت کے مقابلہ پر اسلام کی نمائندگی کرنے کے لئے منتخب کرلیا گیا)

(Missionary Herald: Containing The Proceedings of The American Board of Commissioners for Foreign Missions, Vol XC, pg 167, Published: Press of Samuel Usher, Boston, 1894)

اس مناظرے میں کیا بحث ہوئی، اس کا کیا انجام ہوا، فتح کس کی ہوئی اور خدا تعالیٰ نے کس کی تائید و نصرت فرمائی، یہ سب تو خیر زیر بحث آئے گا ہی، مگر مسلمانوں کی ایسی کسمپرسی کی حالت میں ایک شخص سامنے آتا ہے جو نہ صرف قرآن کریم کی رو سے بلکہ مسیحیوں کی اپنی کتبِ مقدسہ کی رو سے مسیحی عقائد کا رد کرتا ہے، اس کے کاسرِ صلیب ہونے کا یہی ایک ثبوت بہت کافی ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے نہ صرف اسلام کے دفاع کے لئے پیش ہونے کی حامی بھری بلکہ یہ تک فرمایا کہ ہم نہ صرف اپنے آنے جانے کا خرچ خود اٹھائیں گے بلکہ وہاں خوراک اور پینے کے پانی کا انتظام بھی اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خود کریں گے۔

مباحثہ کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ عیسائی الوہیتِ مسیح کو ثابت کریں اور حضرت مسیح موعودؑ توحید باری تعالیٰ کو قرآن کریم کے دلائل سے ثابت کر کے پیش فرمائیں گے۔ یہ مباحثہ ۲۲ مئی کو شروع ہو کر پندرہ روز تک جاری رہا۔ تاریخی اعتبار سے یہ ایک بہت اہم مباحثہ تھا کہ عیسائیت اور اسلام علی الاعلان مقابل پر آرہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مباحثہ کی کارروائی کو اخبارات میں نمایاں جگہ دی جاتی رہی۔ جو اخبارات اسے شائع کرتے، وہ ہاتھوں ہاتھ بک جاتے۔ چونکہ مباحثہ کی شرائط میں یہ امر بھی شامل تھا کہ سوال اور جواب دونوں فریقین تحریری طور پر داخل کریں گے، لہذا اس مباحثہ کی تمام کارروائی حرف بہ حرف شائع ہوتی رہی اور ریکارڈ میں آتی رہی۔ یہ ایک اور وجہ ہے جس سے اس مباحثہ کو تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی، ورنہ اس سے پہلے تو دستور یہی تھا کہ دونوں فریقین خود کو فاتح قرار دیتے رخصت ہو جاتے۔ سامعین کے لئے کسی بھی فیصلہ پر پہنچنا مشکل بلکہ ناممکن رہتا۔

اس مباحثہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اس کی کارروائی سننے کی غرض سے بڑے بڑے مسلمان تمام کارروائی کے دوران بطور سامعین کے موجود رہتے۔ اس کا احوال عیسائی اخباریوں بیان کرتا ہے:

"In addition to the disciples of the Mirza, there was a very large attendance of orthodox Mohammedans, men mostly of affluence and position, and, as such, not usually reached by existing methods of work. Herein lay one delightful feature of the controversy. There they were, influential wealthy men, Government servants and what not - men , as a whole, quite beyond ordinary reach - sitting hour after hour for a couple of weeks, listening most attentively...."

(ترجمہ: مرزا کے مریدوں کے علاوہ وہاں دوسرے مسلمانوں کی بھی بہت بڑی تعداد جمع تھی، اور وہ بھی ایسے صاحب حیثیت مسلمان جن تک عام حالات میں رسائی نہیں ہوتی۔ یہ بھی اس مباحثہ کی ایک خوبصورت بات ہے۔ صاحب حیثیت، دولت مند، سرکاری ملازمین اور ایسے ہی اور لوگ جو عام رسائی میں نہیں ہوتے، دو ہفتہ تک، روزانہ گھنٹوں بیٹھے مباحثہ کو بغور سنا کرتے)

(CMI, Feb 1894 p98)

اس مباحثہ کی عظمت کا اندازہ Missionary Herald مطبوعہ امریکہ کے اس بیان سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

" The discussion was held in Amritsar, on the veranda of Dr Clark's house; admission was by ticket and hundreds who could not obtain them had to be turned away. A surging mob filled the road but was quiet and orderly..."

(ترجمہ: یہ مباحثہ امرتسر میں ڈاکٹر کلارک کے گھر کے برآمدے میں ہوا۔ داخلہ ٹکٹ کے ساتھ تھا۔ سینکڑوں لوگ جو ٹکٹ حاصل نہ کر سکے انہیں رخصت کرنا پڑا۔ ایک جم غفیر سڑکوں پر نہایت خاموشی اور امن کے ساتھ جمع رہا کرتا)

(Missionary Herald: Containing The Proceedings of The American Board of Commissioners for Foreign Missions, Vol XC, pg 167, Published: Press of Samuel Usher, Boston, 1894)

اس مباحثہ کی مسلمانوں کے لئے کیا اہمیت تھی، اس کا اندازہ بھی Missionary Herald کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

"The Mohammedans came from Lahore, Peshawar and other parts of India."

(ترجمہ: مسلمان لاہور، پشاور اور ہندوستان کے دیگر علاقوں سے آئے)

یہ مباحثہ صرف جنڈیالہ کے مسلمانوں تک محدود نہ رہا بلکہ تمام مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے یہ ایک اہم اور فیصلہ کن مباحثہ بن گیا۔ ہنری مارٹن کلارک اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

"In the weeks that followed the adjustment of preliminaries and the beginning of the controversy, the subject excited the most extraordinary interest near and far. It was in the air everywhere. In railway carriages, by the well, on highways and byeways, in the quiet village and the crowded town, it was the one absorbing theme of conversation. Gradually it dawned on us that, all unknown, the projected one-day talk at Jandiala had developed into something much more far-reaching and important than we had imagined possible."

(ترجمہ: مباحثہ کی تیاریوں سے لے کر اس کی ابتدا ہو جانے اور پھر اس کے بعد کے ہفتوں میں اس مباحثہ نے دور و نزدیک کے علاقوں میں غیر معمولی دلچسپی پیدا کردی۔ ریل گاڑیوں میں، کنووں پر، سڑکوں پر، رہگزاروں پر، خاموش دیہاتوں اور پر رونق شہروں میں، یہ سب سے دلچسپ موضوع تھا۔ رفتہ رفتہ ہم پر کھلا کہ یہ مباحثہ جسے ہم جنڈیالہ میں ایک دن کا کام سمجھ رہے تھے، وہ ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر، زیادہ اہم اور دوررس نتائج کا حامل تھا)(CMI, Feb 1894 p98)

ایک اور رپورٹ میں پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے اس پیشگوئی کے دوررس نتائج اور اثرات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

"...it sent a thrill through the whole heart of Islam in India."

(ترجمہ: اس مباحثہ سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک جوش کی لہر دوڑ گئی)

(CMI, Nov. 1894 pg813)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف فتاویٰ کفر مگر اسلام

کی نمائندگی:

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے لے 1892 تک حضرت اقدسؑ کے خلاف تمام عالم اسلام کے سرکردہ لیڈروں نے فتاویٰ کفر جاری کر دیے تھے جن کی تعداد دو صد کے قریب تھی۔ مگر یہ فتاویٰ جاری کرنے والے نام نہاد علماء و مشائخ عیسائی پادریوں کے سامنے اس قدر بے بس تھے کہ جس شخص کو بالاتفاق دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے چکے تھے، کافر، ملحد اور دجال (نعوذ باللہ) اور جانے کیا کیا کچھ کہتے نہ تھکتے تھے، اسلام کے دفاع کی بات آئی تو اسی شخص کو مرد میدان مان کر خود خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہے۔ اور کرتے بھی کیا، کیونکہ اگر خود میدان میں اترتے اور قرآن کریم کی ان آیات کی مروجہ تفسیر پیش کرتے جو حضرت عیسیٰؑ سے متعلق ہیں، تو اسلام کا دفاع تو کیا کرنا تھا، الٹا الوہیت مسیح کے عقیدہ کے حق میں دلائل کو مضبوط کر بیٹھتے۔ پس یہاں کاسرِ صلیب کے سوا اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ مردِ میدان بن کر اترے اور صلیبی عقائد کو پارہ پارہ کر دے۔

آپؑ کو بالاتفاق عیسائیت کے مقابلہ پر واحد مرد میدان ماننے کا اعتراف ملاحظہ ہو:

'Mohammedans, as a whole, were full of glee. Though a heretic as regards Islam, they held he was perfectly sound in his attitude towards Christianity, and they frankly said: 'We have no one his equal for language and eloquence. However much he may differ from us on points of our own faith, he will nobly represent us against Christianity ".

(ترجمہ: مسلمان بے حد مسرور ہوئے۔ اگرچہ وہ اسلامی لحاظ سے انہیں (حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کو) ایک مرتد خیال کرتے ہیں، مگر ان سب نے بالاتفاق انہیں عیسائیت کے خلاف اسلام کا بہترین نمائندہ قرار دیا۔ انہوں نے بلا تردد کہا: ''ہمارے پاس زبان اور حسن بیان میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ہم ان سے اپنے ایمان میں خواہ کتنے ہی اختلافات رکھیں، مگر وہ عیسائیت کے خلاف ہماری بہترین نمائندگی کریں گے)۔

(CMI, Feb 1894, p97)

معاندین کا اپنا اعتراف تو اپنی جگہ مگر یہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے زبان حال سے اپنے مامور کے بارہ میں دے دیا تھا کہ آپؑ ہی کاسرِ صلیب ہیں۔ اس بات کا اظہار ایک اور حقیقت سے بھی ہوتا ہے۔ مشنری سوسائٹی کے اخبار کے محقق، منتظم اور مدیر، Eugene Stock نے پادری فینڈر کے بارہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"...the greatest of all missionaries to Mohammedanism..."

(ترجمہ: مسلمانوں کی طرف بھیجا جانے والا عظیم ترین مناد۔۔۔)

('Beginnings in India' by Eugene Stock, Central Board of Missions 1917)

پادری فینڈر کو مسلمانوں کے مقابل پر آنے والا سب سے موثر پادری خیال کیا جاتا تھا تو اس کی وجہ اسی عقیدہ کا اظہار تھا جو حیات مسیح سے ثابت ہوتا تھا۔ اپنی اسی کتاب ''میزان الحق'' کے آخر پر پادری فینڈر مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ وہ اس نبی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں جو مردہ ہے یا اس یسوع کے ساتھ جو زندہ ہے؟ یاد رہے کہ یہ وہی فینڈر ہے جس کی کتاب 'میزان الحق' کے بارہ میں ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ وہ عیسائی منادوں کے لئے گویا Handbook کا درجہ رکھتی تھی۔

پس اگر اس عقیدہ کا پرچار کرنے والا پادری مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا، تو وہ جس نے کہا کہ 'عیسیٰ کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی حیات ہے' یقینا عیسائیت کے مقابلہ پر اسلام کا سب سے اعلیٰ، سب سے افضل اور سب سے موزوں دفاع پیش کرنے والا ہوگا۔ پس ہمارے معاندین بتائیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کو کاسر صلیب نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

اس مباحثہ کے آغاز ہی سے حضرت اقدسؑ اس بات پر زور دیتے رہے کہ زندہ مذہب اپنی نشان نمائی سے پہچانا جاتا ہے۔ اسلام میں نشان نمائی کی طاقت ہے، عیسائی اس میدان میں بھی مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ اس بات پر دوسری طرف سے مکمل خاموشی رہی۔

نشان نمائی کی دعوت اور اس پر ردعمل:

حضرت اقدسؑ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ آپؑ کو ہر معرکہ میں فتح عطا فرمائے گا۔ نشان نمائی سے مراد بھی حضورؑ کی کوئی جادو ٹونہ نہیں تھا بلکہ دعا کی تاثیر دکھانا تھا۔ مگر عیسائی نمائندہ عبداللہ آتھم صاحب اور ان کے ہمنوا اس طرف آنے سے اعراض کرتے رہے۔ بالآخر جب انہیں اس مسلسل گریز میں اپنی سبکی نظر آئی تو مباحثہ کے چوتھے روز یعنی 26 مئی 1893ء کو عبداللہ آتھم نے اپنے بیان میں تحریر کروایا کہ:

''جناب کل کے مباہلہ کا جواب یہ ہے کہ ہم مسیحی تو پرانی تعلیمات کے لئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اسکی استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں ۔۔۔ اور نشانات کا وعدہ ہم سے نہیں لیکن جناب کو اسکا بہت سا ناز ہے۔ ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے ۔۔۔

پس ہم یہ تین شخص پیش کرتے ہیں جن میں ایک اندھا، ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا ہے۔ ان میں جس کو صحیح سالم کرسکو کر دو ۔۔۔ سو سب عیسائی صاحبان و محمدی صاحبان کے روبرو اسی وقت اپنا چیلنج پورا کیجئے۔''

(جنگِ مقدس، روحانی خزائن جلد ششم، ص150، مطبوعہ 1984، لندن)

اس پر عیسائی حضرات بہت خوش ہوئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ اب مرزا صاحب (علیہ السلام) لاجواب ہو جائیں گے۔ مگر تائید کا وعدہ خدائے قادر و توانا کی طرف سے تھا۔ آپؑ نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ ملاحظہ ہو:

''آپ کے مذہب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو نشانیاں نجات یا بندوں یعنی حقیقی ایمانداروں کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں۔ مثلاً جیسے کہ مرقس 17-16 میں لکھا ہے: 'اور وے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہونگی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالینگے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھا لینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنے کی والی چیز پئیں گے، انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائینگے' تو اب میں بادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارت ہو تو اسکی معافی چاہتا ہوں کہ یہ تین بیمار جو آپ نے پیش کئے ہیں یہ علامت تو بالخصوصیت مسیحیوں کے لئے حضرت عیسیٰؑ قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائیگا۔ اب گستاخی معاف اگر آپ سچے ایماندار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اسوقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں، آپ ان پر ہاتھ رکھدیں، اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کرلیں گے کہ بیشک آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں، ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ مگر خیر میں اس وقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ وہ ہماری اس جگہ سے دور ہیں لیکن یہ تو بہت اچھی تقریب ہوگئی کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کردیئے، اب آپ ان پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھلاؤ۔ ورنہ ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ بالخصوصیت تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو اچھے ہو جائیں گے، ہاں یہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دعائیں قبول کرونگا اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو اور مصلحتِ الٰہی کے مخالف ہو تو اس میں اطلاع دی جائے گی یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائیگا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہی کر گذرو ۔۔۔''

(جنگِ مقدس، روحانی خزائن جلد ششم، ص154-153، مطبوعہ 1984، لندن)

ابھی یہ صرف ایک مثال ہے کہ کس شان سے آپ نے مسیحیوں ہی کی مقدس کتاب سے انہیں شکست دی۔

پھر الوہیت مسیح کے باطل عقیدہ کی جڑ بھی بائبل ہی سے کاٹ کر رکھ دی۔ تفصیل کے لئے کتاب ''جنگ مقدس'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں صرف ایک مثال پیش ہے جس میں خود مد مقابل کا خراج تحسین، انہی کے الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے الوہیت مسیح کے رد میں انجیل ہی سے یہ حوالہ پیش فرمایا:

''۳۳ یہودیوں نے کہا 'ہم تمہیں سنگسار کرنا چاہتے ہیں اس لئے نہیں کہ تم نے اچھے کام کئے، مگر تم خدا سے گستاخی کرتے ہو۔ تم تو صرف ایک آدمی ہو لیکن اپنے آپ کو خدا کہتے ہو'

۳۴ یسوع نے جواب دیا 'یہ تمہاری شریعت میں لکھا ہے ''میں نے کہا کہ تم خدا ہو'' [زبور ۸۲:۶]

۳۵ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور تحریر کا باطل ہونا ممکن نہیں

۳۶ تم مجھ پر کیوں کہتے ہو کہ میں خدا کے خلاف کہہ رہا ہوں ۔۔۔''

(یوحنا، باب 10، آیات 33 تا 36 بحوالہ ''انجیل مقدس'' اردو ترجمہ، ورلڈ بائبل ٹرانسلیشن 2006)

اس دلیل پر فریق مخالف کے چیمپیئن ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا اظہار ملاحظہ ہو:

"Of course we had, 'Why callest thou me good?' adduced against the Divinity of our Lord, but the thing on which the Mirza rested this portion of his case was John X:35.This is a novel argument in my experience of Mohammedans"

(ترجمہ: خداوند یسوع کی الوہیت کے خلاف 'تم مجھے خیر کیوں بلاتے ہو؟' والی دلیل تو ہی جاتی تھی، مگر مرزا (غلام احمدؑ) نے اپنی دلیل کے طور پر یوحنا، باب 10 آیت 35 پیش کی۔

مسلمانوں سے مباحثوں کے تجربہ میں یہ ایک انوکھی اور نرالی دلیل ہے)

(CMI, Feb 1894 p99)

یہ حضرت مرزا صاحبؑ نہیں فرما رہے۔ نہ ہم کہہ رہے ہیں جو آپ کے حرف حرف پر جان دینے کو تیار ہیں۔ یہ فریق مخالف کے نگران اعلیٰ، اس مباحثہ کا چیلنج دینے والے ایک مسیحی پادری کا اعتراف ہے۔

فتح وشکست کا فیصلہ:

اس مباحثہ کا انجام بھی وہی ہوا جو بالعموم پبلک مناظروں کا ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے مناظروں اور مباحثوں سے اعراض فرمایا۔ یعنی دونوں فریقین فتح کا دعویٰ کرنے لگے۔ مگر اس مباحثہ کا انجام اپنے اندر ایک غیر معمولی شان رکھتا ہے۔ جب دلائل و براہین سے مسیحیت کے مروجہ عقائد کا باطل ہونا ثابت ہوگیا مگر مدمقابل اعتراف شکست سے گریز کرتا رہا، تو حضرت مسیح موعودؑ نے اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر اعلان فرمایا کہ:

’’۔۔۔آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔۔۔‘‘

(جنگ مقدس، روحانی خزائن جلد ششم، ص ۲۹۲، مطبوعہ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، لندن 2008)

اب امر واقعہ یہ کہ مسٹر عبد اللہ آتھم مقررہ مدت یعنی پندرہ مہینوں میں ہلاک نہ ہوئے۔ یہ بات جماعت احمدیہ کے معاندین ایک بہت بڑے اعتراض کے طور پر اٹھاتے ہیں۔ مگر دیگر تمام اعتراضوں کی طرح یہ اعتراض بھی جلد بازی، کم فہمی، تعصب یا بدنیتی کی پیداوار ہے۔ افسوس کہ ہم ریاضی، کیمسٹری، فزکس کے زمینی، مادی، دنیوی مسائل کو سمجھنے کے لئے تو طویل منطقی مدارج اور equations کو طے کرنے میں وقت کو صرف کرتے ہیں مگر جہاں معاملہ دین کا اور ایمان کا ہے، وہاں ’دو جمع دو برابر ہے چار‘ سے آگے چلنے کو تیار نہیں۔ فیصلہ ہو رہا ہے دنیا کے دو بڑے ادیان کے حق یا باطل ہونے کا اور اس کا انجام ایک طفلانہ جھگڑے کی طرز پر چاہتے ہیں۔ جو پیشگوئی کی عبارت میں یہ الفاظ ہیں کہ ’جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے‘ یہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ بعض اندھے تو سوجاکھے کر دیئے جائیں گے مگر اکثر اندھے اندھے رہ جائیں گے۔ پس جنہیں اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا فرمایا تھا، وہ سوجاکھے کئے گئے، جو اپنی بدقسمتی اور حسد کی زد سے نہ نکل سکے، وہ نابینا رہ گئے۔

عیسائی پادریوں نے مباحثہ کے اختتام پر اپنی خفت چھپانے کے لئے یہ پرچار کرنا شروع کر دیا کہ اس مباحثہ کے نتیجہ میں بہت سے مسلمان اسلام کو ترک کر کے عیسائی ہو گئے۔ اگرچہ کچھ لوگوں کے قدم میں لغزش آئی بھی، مگر پادری اس بات کو چھپا ہی گئے کہ اکثر مرتدین کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور وہ دوبارہ مسلمان ہوگئے۔ مگر عیسائی پادریوں نے شرمندگی کے مارے اس بات کا اعتراف کہیں نہیں کیا۔ بعد از تلاش بسیار صرف ایک مقام پر اس حقیقت کا اعتراف ملا مگر وہ بھی جھوٹ کی ملونی کے ساتھ۔ چرچ مشن سوسائٹی کے مورخ یوگین سٹاک (Eugene Stock) نے سوسائٹی کی تاریخ میں مباحثہ کے نتیجہ کے بارہ میں تحریر کیا ہے کہ:

Several Mohammedans of good position embraced Christianity and were baptized; and it seemed as if no such victory over Islam had ever been won. But it has to be mournfully confessed that most of these were overcome by the terrible temptations that beset them, the enticements on the one hand, the persecution on the other.

(ترجمہ: بعض صاحبِ حیثیت مسلمانوں نے عیسائیت قبول کی اور انہیں بپتسمہ دیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اسلام پر عیسائیت کی ایسی فتح کبھی نہیں ہوئی۔ مگر افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے بہت سے فرطِ جذبات میں بہہ کر، لالچ میں آ کر یا ظلم کے خوف سے مغلوب ہو گئے)

(The History of the Church Mission Society: Its Environment, Its Men and Its Work, by Eugene Stock, Church Mission Society, London, 1899)

اس اعتراف میں شرمندگی، خفت، ہزیمت تو واضح اور نمایاں ہے۔ مگر ذرا بین السطور دیکھیں تو جھوٹ بھی بہت نمایاں نظر آئے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کس بات کی لالچ دی ہوگی یا کون سا ظلم ڈھا دیا ہوگا؟ حکومت انگریز کی، مشنری سوسائٹیاں انگریز کی، عملداری انگریز کی، قانون انگریز کا، زمینیں، املاک سب کچھ تو انگریز کا تھا۔ لالچ دینے کا امکان، لالچ کے طور پر کچھ پیش کرنے کا امکان تو پادریوں کا تھا نہ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کس بات کی لالچ دی ہوگی یا کون سا ظلم ڈھا دیا ہوگا؟ حکومت انگریز کی، مشنری سوسائٹیاں انگریز کی، عملداری انگریز کی، قانون انگریز کا، زمینیں، املاک سب کچھ تو انگریز کا تھا۔ لالچ دینے کا امکان، لالچ کے طور پر کچھ پیش کرنے کا امکان تو پادریوں کا تھا نہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا پھر خود ہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ صاحبِ حیثیت بھی تھے۔ ایسے صاحبِ حیثیت لوگوں کو حضرت صاحبؑ نے کیا لالچ دینا تھی؟ کس ظلم سے ڈرانا تھا؟ بہرحال، آیئے انجام آتھم کی پیشگوئی کی طرف چلتے ہیں۔

پیشگوئی انجامِ عبداللہ آتھم پر اعتراض کی وجہ عدم تفہیم ہے:

اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر حضرت اقدسؑ مسیح موعودؑ نے عبداللہ آتھم کے بارہ میں جو پیشگوئی کی تھی، اس کے منظر عام پر آتے ہی سب لوگوں نے، کیا عیسائی اور کیا مسلمان، سب نے دن گننے شروع کر دیئے اور پندرہ ماہ کی مدت کے پورا ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اس صورتحال کا اظہار اپنی رپورٹ جو انہوں نے چرچ مشن سوسائٹی کو بھیجی، میں یوں کرتے ہیں:

"It has been the theme of converse, of close attention during the past year. From Madras to Peshawur, through the length and breadth of broad India, thousands upon thousands of men have been watching with thoughts intent on the far northern city where Islam had thrown down the wager of battle, and where God Himself would decide".

(ترجمہ: یہ (مباحثہ) سال بھر کے دوران توجہ کا مرکز اور موضوعِ گفتگو بنا رہا ہے۔ مدراس سے پشاور تک، ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں ہزار لوگ بڑے غور سے ہندوستان کے شمال میں واقع اس شہر کی طرف دیکھتے رہے ہیں جو میدانِ جنگ بنا اور جہاں خدا نے خود فیصلہ صادر کرنا ہے)

(Some Results of the Late Mohammedan Controversy, by Henry Martyn Clark, Church Missionary Intelligencer Vol XLV, Nov 1894, pg813)

جہاں باقی دنیا ہنسی اور استہزاء کے رنگ میں اس پیشگوئی کا انجام دیکھنے کی منتظر تھی، وہاں حضرت اقدس اور آپؑ کے صحابہ دعاؤں میں یہ پندرہ مہینے کا عرصہ گزار رہے تھے۔ یہ دعا ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہوجانے کے لئے ہوگی۔ مگر یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ پیشگوئی کے پورا ہونے کی دو صورتیں تھیں۔

۱۔ عبداللہ آتھم رجوع الی الحق نہ کرے اور ہاویہ یعنی سخت عذاب میں گرایا جائے

۲۔ عبداللہ آتھم رجوع الی الحق کر لے اور ہاویہ کا عذاب اس سے ٹل جائے مومن کا کام دعا کرنا ہے۔ اسے کس طرح قبول کرنا ہے، اس کے بارہ میں قرآن کریم ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف ۲۲)

یعنی ’’اور اللہ اپنے فیصلہ پر غالب رہتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے‘‘۔ اب یہ بات امر واقعہ ہے کہ عبداللہ آتھم پیشگوئی کی تاریخ سے پندرہ مہینے کی مدت پوری ہونے تک ہلاک نہیں ہوا۔ مگر یہاں سے بات کو آگے لے کر چلنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس پیشگوئی میں لفظ ’’ہاویہ‘‘ کو کس طرح بیان فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں:

’’ہاں میں نے جہاں تک الہام کے معنے سمجھے وہ یہ تھے کہ جو شخص اس فریق میں سے بالمقابل باطل کی تائید میں بنفس خود بحث کرنے والا ہے اس کے لئے ہاویہ سے مراد سزائے موت ہے۔ لیکن الہامی لفظ صرف ہاویہ ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ حق کی طرف رجوع کرنے والا نہ ہو۔ اور حق کی طرف رجوع نہ کرنے کی قید ایک الہامی شرط ہے جیسا کہ میں نے الہامی عبارت میں صاف لفظوں میں اس شرط کو لکھا تھا اور یہ بات بالکل سچ اور یقینی اور الہام کے مطابق ہے کہ اگر مسٹر عبداللہ کا دل جیسا کہ پہلے تھا ویسا ہی توہین اور تحقیر اسلام پر قائم رہتا اور اسلامی عظمت کو قبول کر کے حق کی طرف رجوع کرنے کا کوئی حصہ نہ لیتا تو اسی میعاد کے اندر اس کی زندگی کا خاتمہ ہوجاتا لیکن خدا تعالیٰ کے الہام نے مجھے جتلا دیا کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے اسلام کی عظمت اور اس کے رعب کو تسلیم کر کے حق کی طرف رجوع کرنے کا کسی قدر حصہ لے لیا جس حصہ نے اس کے وعدہ موت اور کامل طور کے ہاویہ میں تاخیر ڈال دی۔‘‘

(از حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ، انوار الاسلام بارِ اوّل 1894، روحانی خزائن، جلد نہم، مطبوعہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، لندن 2008)

چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ آتھم نے رجوع الی الحق کیا، لہٰذا وہ اس پیشگوئی کے عذاب سے بچایا گیا۔ یہ پیشگوئی تھی ہی اس بات سے مشروط۔ پیشگوئی کے الفاظ اوپر درج کر دیئے گئے ہیں، نیز اصل عبارت حضرت صاحبؑ کی اصل کتاب جنگ مقدس میں بھی ملاحظہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اسے مشروط نہ بھی کیا جاتا تو وعیدی نوعیت کی پیشگوئی، سنت اللہ کے مطابق ہوتی ہی مشروط بہ رجوع ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ایک فرمان جو ہم تک حضرت انس بن مالکؓ کے توسط سے پہنچا، اس بات پر خوب کھل کر دلالت کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو ثواب کا وعدہ دے تو وہ اس کو ضرور پورا کرتا ہے۔ ہاں اگر کسی کو اس کے عمل پر سزا کا وعید کرے تو اسے اختیار ہے۔

علامہ ابو الفضل اپنی تفسیر ''روح المعانی''، جلد چہارم صفحہ 190 پر رقمطراز ہیں کہ:

''تحقیق وعدہ کی آیات بغیر شرط مطلق ہوتی ہیں۔ اور وعید والے الہامات اگرچہ ان کے ساتھ شرط مذکور نہ ہو، تاہم وہ مقید ہوتے ہیں۔ ان کی قید اور شرط زیادہ خوف دلانے کی خاطر حذف کر دی جاتی ہے۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا۔ (الجن 26-28)

یہاں ہمیں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو خود حکم ارشاد فرمایا کہ:

''تو کہہ دے میں نہیں جانتا کہ جس سے تم ڈرائے جاتے ہو وہ قریب ہے یا میرا ربّ اس کی مدت کو لمبا کر دے گا'' (الجن 26)

اسی سورۃ کی منقولہ بالا آیات 27 اور 28 میں فرمایا کہ ''وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ کسی کو اپنے غیب پر غلبہ عطا نہیں کرتا۔ بجز اپنے رسولوں کے۔۔۔''

مگر اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہ اگرچہ وہ عالم الغیب ہے اور اگرچہ وہ اس علم غیب میں سے کچھ حصہ اپنے مرسلین کو عطا فرماتا ہے، مگر پھر بھی عالم الغیب اسی کی ذات بابرکات رہتی ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں۔ اس طرف رہنمائی اس آیت سے عطا فرمائی:

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ۔ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (یوسف ۲۲)

بالکل اسی طرح جس طرح اس نے اپنے محبوب ترین بندہ اور رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کو ہجرت کی خبر پیش از وقت دے دی۔ دکھایا گیا کہ آپ کیلئے دار الہجرت کے طور پر ایک ایسے مقام کو چنا گیا ہے جہاں کھجوروں کے باغ ہونگے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا

فَذَھَبَ وَھلِی اِلَی الیَمَامَۃ یعنی میرا خیال یمامہ کی طرف گیا۔ مگر ہم سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے دار الہجرت یثرب یعنی مدینہ ثابت ہوا۔ مگر ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کی صداقت پر شک کرنے لگیں۔ علم غیب خدا ہی کی ذات سے مخصوص ہے اور وہی جانتا ہے کہ مستقبل کا کوئی واقعہ کس طرح رونما ہوگا۔ پس جب وہ رونما ہو جاتا ہے تو اس کے ظاہر ہونے سے کل عالم اس وحدہ لاشریک کی شناخت حاصل کرتا ہے۔ اس بات کا سبق بھی ہمیں قرآن کریم ہی سے ملا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ فَتَعۡرِفُوۡنَہَا (النمل، 93)

یعنی سب تعریف اللہ کے لئے ہے وہ تم کو اپنے نشان دکھائے گا۔ تب تم ان کو پہچان سکو گے۔

یہاں بھی نشان کا ظہور پہلے اور پھر اس کا ادراک بعد میں بیان ہوا ہے۔ پس خدائی کا دعویٰ ہمارے پیارے نبی ﷺ کو تھا نہ آپؐ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو۔

اسی طرح جب حضرت نبی کریم ﷺ نے امہات المومنینؓ کے استفسار پر فرمایا کہ آپؐ سے سب سے پہلے وہ زوجہ ملیں گی جن کے ہاتھ سب سے لمبے ہونگے، تو امہات المومنین آئندہ زندگی کے شوقِ قرب و وصال میں اپنے ہاتھ چھڑی سے ناپنے لگیں اور حضرت سودہؓ کو اس کا مصداق خیال فرمایا۔ مگر عقدہ تب کھلا جب حضرت زینبؓ کی رحلت ہوئی اور سب امہات المومنین نے جانا کہ طول الیدین سے مراد ظاہری ہاتھوں کی لمبائی نہیں بلکہ صدقہ و خیرات کے معاملہ میں فیاض ہونا تھا۔

پس خدا تعالیٰ سے اذن پا کر کوئی اطلاع دینا مرسلین کا ہی کام ہے، مگر اس اطلاع کی تفصیلات اور اس کی جزئیات خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

ہنری مارٹن کلارک کا اعتراف شکست

اس سے پہلے کہ ہم آتھم کی حالت رجوع پر کچھ کہیں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مباحثہ سے متعلق پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا ایک بیان نقل کر دیا جائے جو انہوں نے اس مباحثہ کی رپورٹ میں رقم کیا۔ یہ رپورٹ ہر مشنری اپنے اپنے علاقہ سے متعلق چرچ مشن سوسائٹی کو بھیجتا تھا جس سے مشن سوسائٹی دنیا بھر میں پھیلے اپنے مشن کے کام سے آگاہی حاصل کرتی تھی۔ یہ رسائل جنہیں Intelligencer کہا جاتا تھا، عامۃ الناس کے لئے نہ ہوتے تھے بلکہ صرف مشن کے ریکارڈ کے لئے تالیف کئے جاتے تھے۔ ان کا مقصد مشن سوسائٹی کو مختلف مقامات پر پادریوں کو درپیش حالات و مسائل سے آگاہ کرنا ہوتا تھا۔ اس مباحثہ کے بعد جو رپورٹ ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے شائع ہوئی اس میں کلارک صاحب نے آتھم صاحب کے بارہ میں تحریر کیا:

"When our turn came, I must candidly confess our champion did not make the best of our case against Mohammedanism. Despite much advice...Mr Athim pursued a course of his own...It was scarcely the type of war required. "

(ترجمہ: میں دیانت داری سے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ جب ہماری باری آئی، ہمارا نمائندہ اسلام کے مقابلہ پر ہمارا دفاع خاطر خواہ طریق پر نہ کر سکا۔ بہت رہنمائی کے باوجود مسٹر آتھم نے اپنا ہی طریق اختیار کیا رکھا۔۔۔ ایسے دلائل کی چنداں ضرورت نہ تھی)۔

(CMI, Feb 1894, pg 99)

ان کے اس اعتراف کو Missionary Herald مطبوعہ امریکہ نے بھی شامل اشاعت کیا۔ یہ مجلہ American Board of Commissioners for Foreign Missions کی کارروائی پر مشتمل خصوصی شمارہ تھا۔ یہاں آتھم کی شکست کا اعتراف ان لفظوں میں موجود ہے:

"Dr Clark affirms that ...the presentation of the Christian side was not [at] all that could have been asked for..."

(ترجمہ: ڈاکٹر کلارک اعتراف کرتے ہیں کہ عیسائیوں کی طرف سے جو کچھ کیا گیا وہ مطلوب و مقصود نہ تھا)

(Missionary Herald: Containing The Proceedings of The American Board of Commissioners for Foreign Missions, Vol XC, Published: Press of Samuel Usher, Boston, 1894

اس بیان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ اگرچہ عیسائی مباحثہ کے دوران اپنی فتح کا اعلان کرتے رہے، مگر بصیغہ راز اپنی شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔

۲۔ مباحثہ کا بنیادی مقصد اسلام اور مسیحیت میں سے سچے مذہب کا فیصلہ بزور دلائل از روئے کتب مقدسہ کرنا تھا۔ آتھم کا انجام کیا ہوا یہ ایک الگ کہانی ہے۔ مگر اسلام کی فتح اس شخص کے ہاتھوں ہوئی جو خدا کی طرف سے کاسر صلیب بن کر آیا تھا۔ صلیب کے دو نیم ہونے کا اعتراف خود عیسائی پادریوں کے سربراہ کی طرف سے اس بات کا غماز ہے کہ یہ کام اور کوئی نہ کر سکا بجز حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے۔

یہاں جنگ مقدس یعنی اس مباحثہ کی فتح کا فیصلہ ہوا۔ اب آگے آتھم صاحب کے ساتھ کیا ہوا، یہ ایک الگ داستان ہے۔ آیئے اس کے رجوع الی الحق کے بارہ میں آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ مگر پہلے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے کچھ تعارف ضروری محسوس ہوتا ہے۔

تعارف پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک:

آگے چلنے سے پہلے ہم پادری ہنری مارٹن کلارک کا کچھ تعارف پیش کر دیں۔ یہ تو اوپر ذکر آ چکا کہ ہنری مارٹن کلارک اس مباحثہ کے منتظم اعلیٰ تھے۔ انہوں نے ہی مسلمانوں کو چیلنج دیا اور پھر عبد اللہ آتھم کو عیسائیت کی نمائندگی کے لئے چنا۔ اس کی بظاہر 3 وجوہات معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ آتھم مقامی ہندوستانیوں میں سے تھا اور اس کا عیسائی ہو جانا مقامی لوگوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے میں زیادہ کردار ادا کر سکتا تھا۔

۲۔ آتھم مسلمان رہ چکا تھا۔ اس کا نام آثم تھا، جو مختلف تلفظات سے گزرتا آتھم بنا۔ اسلام کے عقائد سے بھی گہری واقفیت رکھتا تھا اور عیسائیت سے بھی خوب واقف تھا۔

۳۔ پبلک سروس کے اعلیٰ عہدے پر فائز رہنا بھی مقامی لوگوں کو مرعوب کرنے میں مدد ہو سکتا تھا۔

ان تینوں باتوں کا ثبوت ہنری مارٹن کلارک کے آتھم کے بارہ میں اس بیان سے ملتا ہے:

"We chose as our champion Mr Abdullah Athim, who is amongst the earliest of living converts from Mohammedanism, with whom Mohammaden controversy is a life's study, and who, after many years of honourable service as an Extra Assistant Commissioner under Government, has now retired, and is spending the evening of his days in Amritsar."

(ترجمہ: ہم نے مسٹر عبد اللہ آتھم کو اپنے نمائندہ کے طور پر منتخب کیا، جو کہ اسلام ترک کرکے

عیسائی ہونے والے اولین لوگوں میں سے ہیں۔ اسلام پر ان کا عمر بھر کا گہرا مطالعہ ہے اور جو کئی سال تک ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے سرکاری عہدے پر باعزت طریق سے ملازمت کر کے ریٹائر ہوئے ہیں، اور اب اپنی ڈھلتی عمر کے دن امرتسر میں گزار رہے ہیں)

(CMI, Feb 1894, pg97)

آتھم کے بارہ میں Missionary Herald میں جو تعارفی نوٹ ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آتھم کو اسلام کے مقابلہ پر سب سے بڑا پہلوان خیال کیا گیا:

"The Christians chose as their leader one who was among the earliest living converts from Mohammedanism, and who had made the subject a life study".

(ترجمہ: عیسائیوں نے اپنے نمائندے کے طور پر ایسے شخص کو نامزد کیا جو اسلام ترک کر کے عیسائی ہونے والے ابتدائی لوگوں میں سے ہیں اور اسلام پر گہرا مطالعہ ہے)

(Missionary Herald: Containing The Proceedings of The American Board of Commissioners for Foreign Missions, Vol XC, Published: Press of Samuel Usher, Boston, 1894)

پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک چرچ مشن سوسائٹی کے تحت بطور میڈیکل مشنری ہندوستان کے شہر امرتسر میں تعینات تھے۔ وہ مشہور عیسائی مناد Robert Clark کے لے پالک تھے۔ ہنری مارٹن کلارک ایک افغان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ قریباً اڑھائی برس کی عمر میں یتیمی کی حالت میں تھے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ سے رابرٹ کلارک اور ان کی اہلیہ نے انہیں گود لیا، ان کی پرورش کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا بھیجا جہاں ہنری مارٹن کلارک نے MD کی سند حاصل کی اور مشنری کی ٹریننگ لینے کے بعد ہندوستان میں وارد ہوئے۔ یہاں وہ، دیگر پادریوں کی طرح، اپنی تمام کارکردگی کی رپورٹ چرچ مشن سوسائٹی کو ارسال کرتے جو ان کی رپورٹس کو دیگر اہم رپورٹس کے ساتھ اپنے intelligencer میں شامل اشاعت کرتی۔ وہ اپنے منہ بولے والد رابرٹ کلارک کو بھی اپنی تمام سرگرمیوں سے آگاہ رکھتے۔ چرچ مشن سوسائٹی کا صدر دفتر حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں لندن کے علاقہ Salisbury Square میں واقع تھا۔ بعد ازاں یہ دفتر برطانیہ کے شہر Oxford منتقل ہو گیا اور تا دم تحریر وہیں واقع ہے۔ سوسائٹی کے Archives آکسفورڈ کی اس عمارت میں بھی محفوظ ہیں، مگر زیادہ تر مواد University of Birmingham کے شعبہ Special Collections کی تحویل میں ہے۔ یونیورسٹی میں موجود ان آرکائیوز میں سے متعلقہ مواد کی تلاش میں ہنری مارٹن کلارک کا ایک ذاتی خط بھی ملا۔ یہ خط موصوف نے 4 ستمبر 1894 کو اپنے والد رابرٹ کلارک کے نام تحریر کیا۔ یہ وہ تاریخ ہے جب پیشگوئی انجام آتھم کی میعاد پوری ہوتی تھی۔ ہنری مارٹن کلارک نے اس خط میں اپنے والد کو اپنی سرگرمیوں سے مطلع کیا۔ آخر پر اس نے فیروز پور جا کر آتھم سے ملنے اور اس کی صحت کے بظاہر بہتر نظر آنے اور اس کے ذہنی بحران کا ذکر کیا۔

ہم ہنری مارٹن کلارک کے مندرجہ بالا بیان سے دیکھ چکے ہیں کہ عبداللہ آتھم پیرانہ سالی کے ایام امرتسر میں گزار رہا تھا۔ وہ امرتسر میں مستقل طور پر سکونت پذیر تھا۔ عبداللہ آتھم اس پیشگوئی کے رعب میں سراسیمگی کا شکار ہو گیا۔ وہ حواس باختہ رہنے لگا۔ اس سراسیمگی میں اسے کبھی سانپ نظر آتے اور کبھی اپنے سر پر تلوار لٹکتی نظر آتی۔ شدید ذہنی دباؤ میں اسے ایسے بہت سے hallucinations (واہمے) ہونے لگے۔ وہ اپنے مقدر سے ڈر کر کبھی کہیں بھاگتا، کبھی کہیں سر چھپاتا پھرتا۔ وہ اس پیشگوئی کے نتیجہ میں خدائے واحد و لاشریک سے اس قدر مرعوب ہوا کہ پیشگوئی کی میعاد ختم ہونے تک لوٹ کر امرتسر نہ گیا۔ اس بات کا ثبوت ہنری مارٹن کلارک کا وہ خط ہے جو انہوں نے اپنے والد رابرٹ کلارک کو لکھا۔

"At 6 pm I left for Ferozepore where Athim is. I wanted to settle the details of the home coming on the 6th....I had a couple of hours with Athem...The crisis just now is intense beyond words."

(ترجمہ: شام چھ بجے میں فیروز پور کے لئے روانہ ہوا جہاں آتھم ان دنوں مقیم ہے۔ میں اس کے ساتھ 6 تاریخ کو واپس امرتسر آنے کی تفصیلات طے کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کے ساتھ قریب دو گھنٹے گزارے۔ اس نازک وقت کا تناؤ ان دنوں میں عروج پر ہے)

(دستی محررہ چٹھی از پادری ہنری مارٹن کلارک بنام رابرٹ کلارک، بتاریخ 4 ستمبر 1894، یکے از تاریخی دستاویزات چرچ مشن سوسائٹی، مملوکہ ومقبوضہ Special Collections, University of Birmingham، بحوالہ CMS/C)

اس عبارت سے جہاں گھبراہٹ میں نقل مکانی کا ثبوت ملتا ہے، وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ نقل مکانی صرف پیشگوئی کے رعب سے تھی، کیونکہ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ پیشگوئی کی میعاد کے پورا ہوتے ہی واپس امرتسر آنا چاہتا تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ اس بارہ میں آتھم کا اپنا اقرار نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ کس کو خبر نہیں کہ آتھم صاحب نے پرچہ نور افشاں (جو کہ ایک عیسائی اخبار تھا۔ ناقل) میں صاف اقرار چھپوایا کہ میں اثناء ایام پیشگوئی میں ضرور خونی فرشتوں سے ڈرتا رہا۔ یہ کس کو معلوم نہیں کہ ڈرنے کی علامات ان سے اس قدر صادر ہوئیں کہ جن کو چھپانا ممکن نہیں''

(انجام آتھم، بار اول 1896، مشمولہ روحانی خزائن جلد 11، مطبوعہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، لندن 2008)

آتھم کی طرف سے اقدام قتل کے الزام کی حقیقت:

اس نقل مکانی کا جواز معترضین کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ اس پر قاتلانہ حملے ہوئے جن کے بارہ میں اس کو یقین تھا کہ یہ حملے معاذ اللہ حضرت مرزا صاحبؑ کی طرف سے کروائے جاتے ہیں تاکہ وہ ہلاک ہو اور یوں پیشگوئی پورا ہونے کا سامان ہو۔

سراسیمگی کا شکار ہو کر اپنے حواس باختگی کو نہ چھپا پانے سے آتھم ایک اور مشکل کا شکار ہوا۔ اس پر ہمارے زمانے کے حکم اور عدل نے کیا خوبصورت تجزیہ اور پھر فیصلہ پیش فرمایا:

''۔۔۔تب ان کو سمجھ آیا کہ یہ میں نے اچھا نہیں کیا کہ اسلامی پیشگوئی کے خیال سے اس قدر بیقراری ظاہر کی۔ تب زہرخورانی کے اقدام کا منصوبہ اور تین حملوں کا بہانہ بنایا گیا۔ کیونکہ جس قدر خوف اُن کی سراسیمگی سے ظاہر ہو چکا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اگر اس کا سبب الہامی پیشگوئی نہیں تو ایسا سبب ضرور ہونا چاہئے جو نہایت ہی قوی اور عظیم الشان ہو، جس سے یقینی طور پر موت کا اندیشہ دل میں جم سکے۔ سو جھوٹ کی بندشوں سے کام لے کر یہ اسباب تراشے گئے۔۔۔

کون نہیں سمجھ سکتا کہ ان کے جھوٹے اور بے ثبوت بہتانوں نے ان کا منہ کالا ہو گیا تھا۔ اور اس کلنک کو دور کرنے کے لئے بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ یا تو عدالت فوجداری میں نالش کر کے ان بہتانوں کو ثابت کراتے اور یا چند گواہوں کے پیش کرنے سے ان کو ثبوت دیتے اور یا جلسہ عام میں قسم کھا لیتے۔ مگر آتھم صاحب نے ان طریقوں میں سے کسی طریق کو اختیار نہیں کیا''۔

(انجام آتھم، بار اول 1896، مشمولہ روحانی خزائن جلد 11، مطبوعہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، لندن 2008)

یہاں قارئین کی توجہ کے لئے یہ بھی عرض ہے کہ ''انجام آتھم'' حضرت اقدسؑ نے آتھم کی وفات کے بعد تصنیف فرمائی اور پوری صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے بیان فرمایا کہ یہ پیشگوئی کن مراحل سے گزر کر پوری ہوئی۔

مگر یہ تجاویز کہ اگر اپنے hallucinations کو وہ معاذ اللہ حضرت صاحبؑ کی طرف سے قاتلانہ حملے تصور کرتا تھا تو قانون کا سہارا لے کر نالش کر دیتا، حضورؑ نے اس کی زندگی ہی میں اس کو کہلا بھیجا تھا۔ اس بات کا ثبوت حضورؑ کی تصانیف ''انوار الاسلام'' اور ''ضیاء الحق'' سے ملتا ہے، جن میں سے اوّل الذکر پیشگوئی کی ابتدائی میعاد پوری ہوتے ہی حضورؑ نے 5 ستمبر 1894 کو تحریر فرمایا۔ آخر الذکر رسالہ بھی اس کے جلد بعد تحریر کیا گیا، یعنی آتھم کی زندگی میں۔ مگر نہ اس نے نالش کی نہ اعلانیہ قسم کھائی۔

اس پر معترضین سے جو جواب بن پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے پیشگوئی کی میعاد ختم ہونے کی خوشی میں امرتسر میں نکالے جانے والے جلوس سے ایک خطاب کیا، اور اس میں اپنی عیسائیت سے وابستگی ظاہر کی اور اسلام کے خلاف روایتی بدزبانی کی۔ گویا اس نے رجوع الی الحق نہیں کیا اور اپنے مسیحی عقائد اور مخالفتِ اسلام پر قائم رہا۔ اس سے مقصود معترضین کا یہ ہوتا ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اگر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی پیشگوئی مشروط بہ رجوع ہونے کے باعث پوری نہ ہوئی، تو اس کا اجلاس عام سے خطاب اس بات کے ثبوت کے طور پر بہت کافی ہے کہ اس نے تو رجوع الی الحق کیا ہی نہیں!!

مخفی رجوع الی الحق:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ رجوع کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس تمام عرصہ میں اس کا سراسیمہ ہو کر قریہ قریہ بھٹکتے پھرنا، ان دیکھے اسباب سے خوفزدہ ہو کر مختلف مقامات پر پناہ ڈھونڈنا، قاتلانہ حملوں کا الزام لگانا مگر ان پر قانونی چارہ جوئی نہ کرنا، پیشگوئی کی میعاد کے آغاز کے دن سے انجام کے دن تک اس کا اسلام کی مخالفت میں منہ کھولنا نہ قلم اٹھانا، بانیٔ اسلام ﷺ کے خلاف کسی قسم کی دریدہ دہنی نہ کرنا، اس قلبی حالت کے حلفیہ اعلان سے اعراض، یہ سب آتھم کے رجوع الی الحق کے ثبوت نہیں تو اور کیا ہیں؟ اگرچہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ رجوع کے لئے زبانی اقرار ضروری نہیں۔ مگر ایک صاحب ایمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب اس سے رجوع کی بابت دریافت کیا جائے تو وہ اس کا اقرار کرنے میں تامل نہ کرے، جو آتھم صاحب نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ کیا اور

اپنے رجوع پر قسم نہ کھائی۔

عارضی رجوع الی الحق:

اب معترضین جواب دیں کہ کیا عارضی رجوع سے عذاب ٹل جائے تو رجوع رجوع نہیں رہتا؟ معترضین جو چاہیں کہا کریں، جماعت احمدیہ نے تو اپنے بانی حضرت مسیح موعودؑ سے یہی سیکھا اور آپ کی سیرت سے یہی دیکھا کہ آپؑ قرآن کریم کو اپنے رہنما کے طور پر اپناتے۔

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہو گی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

قرآن کریم میں بیان فرمودہ قصص الانبیاء محض قصے نہیں۔ قرآن کریم کا ہر حرف بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہے۔ سورہ زخرف میں فرعون کے درباریوں کا احوال بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۖ وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (الزخرف ۴۹)

یعنی ہم نے انہیں عذاب کے ذریعہ پکڑا تا کہ وہ رجوع کریں۔ پھر آگے فرمایا:

وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ۔ (الزخرف ۵۰)

اور انہوں نے کہا: اے جادوگر، ہمارے لئے اپنے رب سے وہ مانگ جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ یقینا ہم ہدایت پانے والے ہو جائیں گے۔

مگر ان کا یہ رجوع عارضی ثابت ہوا، کیونکہ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے ردعمل کا ذکر فرماتا ہے:

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ (الزخرف ۵۱)

پس جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو معاً وہ بدعہدی کرنے لگے۔

یہ کس قدر واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ عارضی رجوع پر بھی عذاب کو ٹال دیتا ہے اور ٹالتا رہا ہے۔ فرعونیوں نے آٹھ مرتبہ رجوع کیا، آٹھ مرتبہ ان سے موعود عذاب ٹالا گیا۔

پھر قرآن کریم میں عذاب دخان کا احوال سورہ دخان میں بڑے کھلے لفظوں میں مذکور ہے۔ اس عذاب کے آنے پر کفار کا رجوع اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ (الدخان ۱۳)

یعنی اے ہمارے رب، ہم سے یہ عذاب دور کر دے، یقینا ہم ایمان لے آئیں گے اور اس عارضی رجوع پر اللہ تعالیٰ اپنی سنت کو یوں بیان فرماتا ہے إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ (الدخان، ۱۶)

یعنی ہم عذاب تو ضرور کچھ عرصہ کے لئے ٹال دیں گے، مگر یہ غلط ہے کہ تم مومن بن جاؤ گے۔ بلکہ تم دوبارہ انہی شرارتوں کا اعادہ کرو گے۔

پس عارضی رجوع پر عذاب کو عارضی طور پر ٹال دینا سنت اللہ ہے اور پیشگوئی انجام آتھم اپنے آغاز سے انجام تک عین سنت اللہ کے مطابق ہے۔

عبداللہ آتھم کا جلسہ عام میں اپنے عقائد کا اعلان:

اب بات کرتے ہیں اس اعلان عام کی جو عبداللہ آتھم نے پیشگوئی کی میعاد پوری ہونے پر امرتسر میں نکالے جانے والے جلسہ عام میں کیا۔ یہاں یہ انکشاف قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ یہ اعلان بھی آتھم کا ذاتی بیان نہ تھا۔ اس بیان کی حقیقت ہمیں برمنگھم یونیورسٹی میں موجود ہنری مارٹن کلارک کے اس خط سے ہوتی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اسی خط میں آگے چل کر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک لکھتے ہیں:

"We propose a thanksgiving service on the 6th D.V. I am sending my own message to Athim."

(ترجمہ: اگر خدا نے چاہا تو ہم 6 تاریخ کو ایک جشن تشکر برپا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آتھم کو پیغام لکھ کر بھیج دیا ہے)

(دستی محررہ چٹھی از پادری ہنری مارٹن کلارک بنام رابرٹ کلارک، بتاریخ 4 ستمبر 1894، یکے از تاریخی دستاویزات چرچ مشن سوسائٹی، مملوکہ و مقبوضہ Special Collections, University of Birmingham، حوالہ CMS/C)

اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ جو پیغام آتھم نے اس جلسہ میں پڑھا، وہ بھی اس کے اپنے الفاظ نہ تھے۔

اب آتھم کی حالت کو اس پورے تناظر میں دیکھیئے۔ ☆ پیشگوئی مشروط تھی کہ ''اگر وہ رجوع نہیں کرتا'' تو وہ ہاویہ میں گرایا جائے گا۔

☆ آتھم اسلامی پیشگوئی کے رعب اور خوف سے سراسیمگی کا شکار ہو جاتا ہے۔

☆ اسے hallucinations (واہمہ) ہونے لگتے ہیں کہ اس پر قاتلانہ حملوں کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان نظاروں کے hallucinations ہونے میں اس لئے شک نہیں کہ نہ اس نے خود نہ اس کے اہل خانہ (بیٹیاں اور داماد جن کے یہاں سر چھپاتا پھرا) نے قاتلانہ حملوں پر قانونی چارہ جوئی کا سہارا لیا۔

☆ وہ پیشگوئی کی میعاد یعنی پندرہ مہینے اسلام کے مخالفت میں نہ تو کچھ لکھتا ہے نہ اس کا بیان منظر عام پر آتا ہے۔

☆ پیشگوئی کی میعاد ختم ہو جانے پر، فرعونیوں کی طرح اور سورہ الدخان میں مذکور کفار کی طرح آتھم اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کرتا ہے اور اسلام دشمنی کا اظہار کرتا ہے۔

☆ یعنی پندرہ مہینے کا عارضی رجوع اس موعود عذاب کو ٹال دیتا ہے جو پیشگوئی میں مشروط بہ رجوع مذکور تھا۔

☆ مگر یہ بیان جو وہ پڑھتا ہے، وہ بھی اس کا اپنا نہیں بلکہ پادری ہنری مارٹن کلارک کا بیان ہے جسے کلارک صاحب اپنی چٹھی میں "...my own message..." کہہ رہے ہیں۔

☆ یعنی یا تو رجوع کی کیفیت جاری تھی اور وہ کسی کا اور لکھا بیان پڑھ رہا تھا۔

☆ یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے میعاد پوری ہونے پر اس بیان کو اپنی قلبی حالت کا آئینہ دار سمجھا۔

دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت تھی، واللہ اعلم، مگر اس کے بعد حضورؑ کا اسے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ حلفیہ اعلان کردے کہ اس نے رجوع نہیں کیا تھا اور اس پر پیشگوئی کے پورا ہونے کا خوف طاری نہ ہوا تھا، نیز یہ کہ قاتلانہ حملوں کے من گھڑت الزام میں حضورؑ کا فرمانا کہ وہ قانون کا دروازہ کھٹکھٹائے مگر اس کا ایسا کرنے سے اعراض کرنا عیسائی نمائندہ عبداللہ آتھم کی شکست اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ مسیح موعود و مہدی معہود، نمائندہ اسلام کی فتح کا اعلان عام ہے۔

پیشگوئی انجام آتھم کی اصل مدت:

عام طور پر پیشگوئی انجام آتھم کو 5/جون 1893 سے شروع کر کے پندرہ مہینے تک یعنی 6/ستمبر 1894 تک خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پیشگوئی کا آغاز تو اگرچہ 5/جون 1893 ہی سے ہوتا ہے مگر پندرہ مہینے بعد صرف ایک موڑ آتا ہے، منزل نہیں۔ اس دوران وہ رجوع کرتا ہے مگر حضرت صاحبؑ کے چیلنج یعنی اعلانیہ حلف اٹھانے سے اعراض کرتا ہے۔ اسی پس و پیش میں ایک سال گزر جاتا ہے۔ اس پر اسے اللہ کے اذن سے مزید بارہ مہینے کی میعاد دی جاتی ہے جس میں وہ یقینا ہلاک ہو جائے گا۔ اس پیشگوئی کو ابھی سات ماہ کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ عبداللہ آتھم 27/جولائی 1896 کو ہلاک ہو گیا۔ یوں اس پیشگوئی کی اصل مدت 5 جون 1893 سے شروع ہو کر 30 ستمبر 1896 تھی، اور عبداللہ آتھم عین حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ میعاد میں ہلاک ہو گیا۔

انجام آتھم کی خبر عیسائی اخبار میں:

چرچ مشنری انٹیلی جنسر میں عبداللہ آتھم کی وفات کی خبر ان لفظوں میں آئی:

Another Native worker, Mr Abdullah Athim - whose name will be remembered as the leading advocate on the Christian side in the public controversy with Mohammedans at Amritsar in 1893 - died at Ferozepore on July 27th , after ten days' illness. Mr Clark says of him, "He was a true and faithful servant of Christ, and the Punjab will miss him now that he has gone".

(ترجمہ: ایک اور مقامی کارکن، مسٹر عبداللہ آتھم، جن کا نام عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین ہونے والے مباحثہ کے حوالہ سے عیسائی نمائندے کے طور یاد رکھا جائے گا، فیروز پور میں دس روز کی علالت کے بعد 27 جولائی کو وفات پا گئے۔ مسٹر کلارک ان کے بارہ میں کہتے ہیں کہ وہ یسوع کا ایک مخلص اور سچا بندہ تھا اور پنجاب ان کی کمی کو محسوس کرے گا)

(Church Missionary Intelligencer, October, 1896, Pg. 781)

یاد رہے کہ یہ ایک ممتاز عیسائی مناد جو ایک انتہائی اہم مباحثہ کا حصہ بنا اور جس کی وفات کی پیشگوئی کر دی گئی، کی وفات کی خبر ہے۔ یہ رسالہ بھی وہی ہے جس میں اس مباحثہ کی عظمت، شہرت اور زبان زد عام ہونے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اسی رسالہ میں آتھم کی موت سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کا ذکر کیا گیا تھا۔ اگر اس کی وفات اس معروف اور معرکۃ الآراء پیشگوئی کے مطابق نہیں ہوئی تھی تو یہ تو بہت قابل ذکر بات ہونی چاہیے تھی۔ جس مباحثہ کو حق و باطل کا معرکہ قرار دیا گیا ہو، جس میں فیصلہ کی واحد صورت آتھم کا انجام رہ گیا ہو، وہاں آتھم کی وفات کو اس قدر غیر اہم طریق پر ذکر کر کے کیوں چھوڑ دیا گیا؟ کہیں اشارۃً بھی حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی کا ذکر نہیں۔ اس کے بعد کسی کو پیشگوئی انجام آتھم کے پورا ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

اب یہ بھی دیکھتے چلیں کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی وفات کی خبر چرچ مشن سوسائٹی کے Church Missioary Review میں شائع ہوئی اور عیسائی اپنے ہی وضع کردہ ایک اور معیار میں بھی شکست کھا گئے۔ عبداللہ آتھم کی وفات پر پانچ سطریں لکھ کر آتھم کے عبرتناک انجام پر پردہ ڈالنے والی یہی مشن سوسائٹی حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی

خبر ڈیڑھ صفحات پر شائع کرتی ہے۔ جنگ مقدس سے تفصیل سے ذکر کرتی ہے، پیشگوئی آتھم کی ناکامی کا دعویٰ کرتی ہے، اور آخر پر ایک نیا معیار وضع کر کے اپنے پاؤں پر ایک اور کلہاڑا مارتی ہے۔ خبر کا آغاز 1901 کی مردم شماری میں حضرت مسیح موعودؑ کے پیروکاروں کا اندراج بطور احمدی کئے جانے سے ہوتا ہے اور اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

"It will be interesting to see whether future census reports have occasion to mention the name of the Kadiani leader, and for how long!"

(ترجمہ: یہ دیکھنا دلچسپ ہوگا کہ آئندہ کتنی مردم شماریوں میں قادیانی رہنما کا ذکر ملتا ہے، اور کب تک!)

(Church Missionary Review Vol LIX, Oct 1908, pp 620-621, London)

خدا کا خاص فضل دیکھئے کہ خود ان کے منہ سے معیار طے کروایا اور پھر اس معیار پر بھی اپنے موعود مسیح کی جماعت کو کس طرح سرخرو فرمایا۔

ملاحظہ ہو ہندوستان کی تاریخ کی ممتاز سکالر Avril Ann Powell کا تجزیہ۔ وہ کہتی ہیں:

"In the 1890s, at the time of the Amritsar debate, these two minority communities numbered their intiates merely in thousands. The Ahmadis subsequently created a very successful world missionary movement, numbering at least half a million by the 1940s. While the Punjab remained the Ahmadi 'homeland', there were various new foci of migration and subsequent conversion in other parts of the world, notably in Africa and Indonesia, but also in Britain and North America."

(ترجمہ: 1890 کی دہائی میں، امرتسر کے مباحثہ کے زمانہ میں، ان دو اقلیتوں (جماعت احمدیہ اور عیسائیت) سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ احمدیوں نے اس کے بعد ایک بہت کامیاب عالمگیر تبلیغی تحریک کا آغاز کیا جس کے نتیجہ میں 1940 کی دہائی میں ان کی تعداد 500,000 تک پہنچ گئی۔ اگرچہ پنجاب احمدیت کا تاسیسی وطن رہا مگر ہجرتوں اور بیعتوں کے نتیجہ میں دنیا بھر کے مختلف علاقوں تک ان کا پیغام پہنچا، بالخصوص افریقہ اور انڈونیشیا بلکہ برطانیہ اور امریکہ میں بھی)

(Avril Powell (1995): Contested gods and prophets: discourse among minorities in late nineteenth-century Punjab, Renaissance and Modern Studies, 38:1, 38-59)

اور دوسری طرف عیسائیوں کی حالت یوں بیان کی ہے:

Until the early 1920s the Punjabi Christians also continued to expand their numbers...During the next two decades their gains were relatively small..."

(ترجمہ: 1920 کی دہائی تک پنجابی عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ تاہم اگلی دو دہائیوں میں ان میں بہت کم اضافہ ہوا)

اور پھر Powell نے مردم شماری کی رپورٹ کا ایک نہایت خوبصورت تجزیہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

"The total number of Punjabi 'native Christians' was recorded in the census of 1941 as nearly half a million, similar to the estimated global total of Ahmadis only half of whom by then resided in Punjab"

(ترجمہ: 1941 کی مردم شماری میں پنجاب میں مقامی عیسائیوں کی تعداد 500,000 ریکارڈ ہوئی۔ یہ تعداد اس وقت احمدیوں کی عالمگیر تعداد تھی، جس میں سے قریباً نصف پنجاب کے رہائشی تھے)(Powell, 1995)

یہاں نہایت ٹھوس حقائق سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جماعت احمدیہ کا ذکر نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں ہونے والے بعد کے تین دس سالہ مردم شماریوں میں ہوا بلکہ ایک بڑھتی ہوئی جماعت کے طور پر ہوا۔

دوسرا یہ عیسائیوں کا ذکر ایک گھٹتی ہوئی اقلیت کے طور پر ہو رہا ہے۔

یہ کیسا عظیم نشان ہے کسر صلیب کا جس سے
آنکھیں بند بھی کر لو تو اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔
آفتاب صبح نکلا پھر سوتے ہیں یہ لوگ۔

مردم شماری انگریزی دستور کے مطابق ہر دس سال بعد ہوتی ہے، اور یہی دستور ہندوستان کی تمام نو آبادیات میں رائج تھا۔ مذکورہ بالا مردم شماری جو 1941 میں ہوئی وہ غیر منقسم ہندوستان کی آخری مردم شماری تھی۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی کی مردم شماریوں میں جماعت احمدیہ کا ایک بڑھتی ہوئی جماعت کے طور پر ذکر ملتا ہے۔ بلکہ ہندوستان اور پاکستان تو کیا، دنیا کے ہر ملک میں جہاں احمدی آباد ہیں وہاں کی مردم شماری میں جماعت احمدیہ مسلمہ سے وابستہ افراد کا ذکر اسلام اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کی نسبت سے ملتا ہے۔ ہاں، نیست و نابود ہوئے تو وہ جو پھبتیاں کستے تھے کہ دیکھو کب تک قادیانی رہنما سے وابستہ لوگوں کا نام عام زندگی میں تو در کنار، مردم شماری میں بھی کہیں آئے گا یا نہیں۔

نبیرہ ھنری مارٹن کلارک، جناب جولن مارٹن کلارک کی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات

اس واقعہ کو قریباً ایک صد بیس برس کا عرصہ گزر گیا۔ ہنری مارٹن کلارک ماضی کے دھندلکوں میں کہیں کھو گیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت آپ کے خلفاء کی رہنمائی میں ترقیات کی نئی سے نئی منازل طے کرتی چلی گئی۔

کچھ ماہ قبل امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں ''جنگِ مقدس'' سے متعلق برطانیہ کے مختلف Archives میں موجود دستاویزات اور حقائق پر تحقیق کے کام کا آغاز کرنے کی توفیق ملی۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مواد Church Mission Society, Oxford کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا اور بہت سا مواد برمنگھم یونیورسٹی کی لائبریری کے Special Collections سے حاصل ہوا۔ یونیورسٹی آف لندن کے سکول آف اورئینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز (SOAS) سے بھی مفید مواد حاصل ہوا۔

اس تمام تحقیق کے دوران ہنری مارٹن کلارک کے گھر، اس کی قبر اور اس کی اولاد کو بھی تلاش کیا گیا کہ ان ذرائع سے وابستہ ریکارڈ سے بھی بعض اوقات مفید معلومات حاصل ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اللہ کے فضل سے اس کی قبر جب ملی تو قبرستان کے ریکارڈ سے اس کے مکان کا پتہ معلوم ہوا اور یوں کڑی سے کڑی ملتی اس کی اولاد تک پہنچی۔

ان کے ایک پڑپوتے Mr Jolyn Martyn Clark شمالی انگلستان میں دریافت ہوئے۔ ان سے جب رابطہ کی صورت پیدا ہوئی تو انہیں یہ معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی کہ کوئی شخص ان کے پردادا یعنی ہنری مارٹن کلارک میں آخر کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔ ان سے تعارف بڑھا تو ان پر یہ کھلا کہ ہماری جماعت کو ہنری مارٹن کلارک میں کیا دلچسپی ہے۔

خاکسار انہیں ملنے ان کے گھر پر گیا تو انہوں نے اپنی Family History نکال کر دکھائی۔ اس میں انہوں نے ایک حیرت انگیز چیز دکھائی۔ یہ ایک فریم شدہ ایک نہایت خوش خط عبارت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کونسی زبان ہے۔ یہ اردو زبان کی ایک خوش خط عبارت تھی اور الوداعی ایڈریس کی جو پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت پیش کیا گیا۔ اس میں ان کے کارناموں کا ذکر ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ موصوف نے جنگ مقدس کے ایام میں تمام مصائب اور مشکلات کا نہایت استقلال سے مقابلہ کیا (یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ یہ مباحثہ ایک نہایت اہم مشنری کے نہایت اہم کارناموں میں شمار کیا جا رہا ہے لہٰذا یہ ایک عام مباحثہ نہ تھا۔ اور مشکلات کیسی؟ وہاں تو بہت شوخی کا اظہار پایا جاتا ہے)

موصوف ایک نہایت شریف النفس آدمی ہیں اور تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ جوں جوں ان سے تعارف بڑھا، انہیں جماعت میں دلچسپی پیدا ہوتی گئی۔

انہیں لندن آنے کی دعوت دی گئی جو انہوں نے بخوشی قبول کی۔ جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جانشینی خلافت کی شکل میں آج تک چل رہی ہے اور بے مثال کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے، تو انہیں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے شرف ملاقات حاصل کریں۔

ان کی یہ خواہش حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کی گئی جو حضور انور ایدہ اللہ نے از راہ شفقت منظور فرمائی۔

یوں موصوف 3 دسمبر 2011ء، بروز ہفتہ حضور انور سے شرف ملاقات حاصل کرنے لندن آئے۔ ان کی آمد پر انہیں پہلے طاہر ہاؤس، لندن میں واقع مخزن تصاویر کی نمائش لے جایا گیا جہاں انہیں جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ایک اجمالی تعارف حاصل ہوا۔ دنیا کے ہر کونے میں جماعت احمدیہ کی نمائندگی مساجد، مشن ہاؤس، سکول، کالج، ہسپتال اور جلسہ ہائے سالانہ کی شکل میں، ان کے لئے حیرت کا عجیب سامان تھا۔ یہ سب دیکھ کر انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو کہا کہ ہنری مارٹن کلارک اور باقی مشنریوں کا تو کوئی نام بھی نہیں جانتا، اور تمہاری جماعت کے بانی (علیہ السلام) کا شروع کیا ہوا کام جس کی سب مخالفت کرتے تھے، کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے!

نمائش دیکھنے کے بعد وہ حضور انور کی خدمت اقدس میں بغرض ملاقات حاضر ہوئے۔

اس نہایت ایمان افروز ملاقات کا آغاز سہ پہر ساڑھے تین بجے ہوا۔

دفتر میں داخل ہو کر شرف مصافحہ حاصل کیا اور حضور انور ایدہ اللہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے تو انہوں نے حضور ایدہ اللہ کا شکریہ ادا کیا کہ حضور نے انہیں ملاقات کا وقت دیا۔ اس کے بعد حضور انور ازراہ شفقت ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے۔ حضور انور ایدہ اللہ نے دوران گفتگو ان سے دریافت فرمایا کہ آپ اس مباحثہ کے بارہ میں کیا جانتے ہیں جو جنگ مقدس کے نام سے ہوا تھا؟

اس پر انہوں نے بتایا کہ میں نے تو اس بارہ میں ابھی حال ہی میں تحقیق کی ہے، **مگر آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ہنری مارٹن کلارک کہیں ماضی میں کھو گیا ہے، جب کہ ان کے مدمقابل جو شخص تھا وہ دنیا بھر میں کامیاب ہے۔** کہنے لگے کہ خود مجھے کچھ سال پہلے تک علم نہ تھا کہ میرے پردادا کون تھے۔ یہ تو ابھی کچھ سال قبل اتفاق سے میں اپنے اجداد کی تلاش کر رہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہنری مارٹن کلارک میرے پردادا ہیں۔

حضور انور سے ان کی یہ ملاقات نصف گھنٹہ کے قریب جاری رہی۔ آخر پر انہوں نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حضور کے ساتھ تصویر کھنچوانے کی درخواست کی جو حضور انور نے ازراہ شفقت منظور فرمائی اور یوں یہ لمحہ کہ جب ہنری مارٹن کلارک کا پرپوتا حضور کی خدمت میں حاضر تھا، تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔

حضور سے ملاقات کے بعد جب دفتر سے باہر نکلے تو ان کی ایک عجیب کیفیت تھی۔ پہلے تو نہایت جذباتی ہو کر خاموش رہے اور پھر کچھ دیر بعد اپنے جذبات کا اظہار کرنے لگے۔ خاکسار ان کی گفتگو انہی کے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے:

His Holiness is a very special Man.

(حضور بہت ہی خاص آدمی ہیں)

I have never seen someone like him in my life.

(میں نے ان جیسا اپنی زندگی میں نہیں دیکھا)

It is very difficult to be moved by something in my age because one thinks that he has seen the world quite closely, but I must say that I am deeply moved by meeting His Holiness.

(عمر کے جس حصہ میں میں ہوں، اس عمر میں کسی بات سے متاثر ہو جانا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ انسان سمجھتا ہے اس نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ مگر میں حضور سے مل کر بہت متاثر ہوا ہوں۔)

He is such a loving person that it is hard to explain. He is so special that he made me feel special.

(حضور اس قدر محبت کرنے والے ہیں کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ وہ اتنے خاص ہیں کہ انہوں نے مجھے بھی خاص ہونے کا احساس دلایا)

پھر کہنے لگے کہ یہ اس قدر محبت کرنے والے ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ جن کے یہ خلیفہ ہیں وہ کسی کو مرنے کی بددعائیں کس طرح دے سکتے ہیں (ان کا اشارہ پیشگوئی انجامِ آتھم کی طرف تھا)۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اس پورے معاملے کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ ایک مباحثہ تھا جس میں عیسائیوں کی شکست واضح طور پر سامنے آ گئی تھی۔ اس پر بھی وہ مصر تھے کہ وہ جیت گئے اور اسلام کی شکست ہوئی۔ اس پر بانیٔ جماعت نے فرمایا کہ ایسا ہے تو پھر خدا خود کوئی نشان دکھائے گا۔ یہ سن کر کہنے لگے:

God has certainly shown a sign even today because I am stuttering eversince I have met His Holiness.

(خدا نے آج بھی نشان دکھایا ہے کہ میں جب سے ان سے ملا ہوں، میری حالت یہ ہے کہ میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور انور ایدہ اللہ کی شفقت اور بندہ پروری ہے کہ خاکسار کو اس تحقیق میں حقیر سی کوشش کرنے اور پھر اس ملاقات کے موقعہ پر موجود ہونے کا موقعہ ملا۔ اس ملاقات کا مشاہدہ کرنا ایک نہایت ایمان افروز تجربہ تھا۔ کہاں ہنری مارٹن کلارک حضرت مسیح موعودؑ کو تکالیف پہنچانے اور ہر ممکن طریق سے آپؑ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش میں ہمہ وقت سرگرم تھا اور کہاں اس کی اولاد خود چل کر آپؑ کے خلیفہ کے پاس آتی ہے، حضور سے فیض پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اس پر اس نور کو آشکار کرتا ہے جو وہ اپنے خاص فضل سے اپنے فرستادوں کو عطا فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں لاکھوں کروڑوں برکتیں نازل ہوں اس کاسر صلیب پر جس نے اپنے آقا و مولا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس قرآنی حکم کی تعمیل کی کہ

وَّ يُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

(الکھف ۵) یعنی وہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔

پس کیا خوب حضرت مسیح موعودؑ نے اس حکم کی تعمیل کی، اور کیا ہی خوب اللہ نے آپؑ کے اس کام میں برکت ڈالی۔ مسیحی مذہب کے دلائل ایسے ٹوٹے کہ گویا صلیب ٹوٹ گیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ ☆☆☆

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند متفرق نوٹ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ میرا عقیدہ ہے اور لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین پر آنحضرت ﷺ کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنحضرت ﷺ کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں...... میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسول پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہٖ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہوگا''۔

(کرامات الصادقین طبع اوّل صفحہ 25)

''اے بندگان خدا آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب امساک باراں ہوتا ہے اور ایک مدّت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئیں بھی خُشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے۔ اُسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی پانی ہے۔ (یعنی خدا کی وحی) وہی سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس روحانی پانی کا محتاج تھا۔

مَیں اپنے دعوے کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مَیں عین ضرورت کے وقت خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا اور نہ صرف تقویٰ اور طہارت کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں تھے سچائی کے دشمن ہو گئے تب بالمقابل خدا نے میرا نام مسیح رکھ دیا۔ نہ صرف یہ ہے کہ مَیں اِس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے مجھے بلایا۔''

(یادداشتیں براہین احمدیہ/حصہ پنجم صفحہ ۱۱)

حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق آپؑ کے صحابہ کی روایات:

حضرت مولوی عبداللہ بوتالوی رضی اللہ عنہ اور حضرت امۃ الرحمن رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق حضرت اقدس نے اپنی ایک خلوت کے وقت یونہی ایک پُرزہ کاغذ پر آنکھیں بند کر کے یہ تحریر فرمایا: ''انسان کو چاہئے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور پنجوقت اس کے حضور دُعا کرتا رہے۔''

(الحکم ۲۸ جون۔ ۷ جولائی ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳)

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) نے اپنی تقریر جلسہ سالانہ فرمودہ ۱۹۱۱ء میں فرمایا کہ:

''ایک بات حضرت اقدس کی مجھے یاد آ گئی آپ لوگوں کا حق ہے کہ آپ کو سنائی جائے۔ کیونکہ اگرچہ میرا حضرت سے دوہرا یعنی جسمانی بھی اور روحانی بھی تعلق ہے مگر روحانی لحاظ سے آپ بھی اُن کے بیٹے ہیں۔ آپ کی نوٹ بُک مَیں نے دیکھی آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی پاک خیال پاک جذبہ دِل میں اُٹھتا تو آپ لکھ لیتے۔ اس نوٹ بُک میں خدا کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔

''او میرے مولیٰ میرے پیارے مالک میرے محبوب میرے معشوق خدا! دنیا کہتی ہے تو کافر ہے مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے کوئی اور مِل سکتا ہے اگر ہو تو اس کی خاطر تجھے چھوڑ دوں لیکن مَیں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ مَیں کس حال میں ہوں اس وقت تو مجھے جگاتا ہے اور محبت سے پیار سے فرماتا ہے کہ غم نہ کھا مَیں تیرے ساتھ ہوں تو پھر اَے میرے مولیٰ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے پھر مَیں تجھے چھوڑ دوں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔'' (مدارج التقویٰ صفحہ ۱۲ طبع اوّل تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۸۲ مطبوعہ لندن)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کی روایت ہے کہ:

''ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں جس میں خاکسار بھی موجود تھا بیان فرمایا کہ ایک دن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نوٹ بُک دیکھوں کہ اس میں کس قسم کی باتیں نوٹ کی گئی ہیں چنانچہ میں نے باوجود حضرت اقدس کے احترام کے حضور سے اس بات کی درخواست کر دی کہ مَیں حضور کی نوٹ بُک دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضور نے بلا تامّل اپنی نوٹ بُک بھجوا دی۔ جب مَیں نے اُسے ملاحظہ کیا تو اس کے پہلے ہی صفحہ پر اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ۔ کی دُعا لکھ کر اس کے نیچے حضور نے یہ نوٹ دیا ہوا تھا کہ اے میرے خدا تو مجھ پر راضی ہو جا اور راضی ہونے کے بعد پھر کبھی بھی مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ (حیات قدسی حصہ سوئم صفحہ ۹۹)

تقریر جلسہ سالانہ قادیان 2011

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ائمة الکفر کے انجام کی روشنی میں

(سید آفتاب احمد۔ مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کولکاتہ)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(سورۃ الانعام آیت نمبر:22)

وَلَقَدِ اسْتُہْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْہُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝

(سورۃ الانعام آیت نمبر 11،12)

زُعم میں اُن کے مسیحائی کا دعویٰ میرا
افتراء ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غم ملت میں رکھایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے

(درثمین صفحہ 16 مطبوعہ قادیان 2004)

قابل احترام صدر جلسہ و سامعین و حاضرین کرام! خاکسار کو ارشاد ہوا ہے کہ آپ کی خدمت میں بعنوان "صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام -- ائمةُ الکفر کے انجام" کی روشنی میں چند گزارشات پیش کرے۔

سامعین حضرات! اللہ تعالیٰ کا جلال ازل سے ابد تک جاری وساری ہے، اوراس کی اس صفت کا ظہوراس کے مامورین اوراس کے قائم کردہ سلسلہ کے منکرین ومخالفین کی تباہی و بربادی، ذلت اور ہلاکت کے ذریعہ ہوتا چلا آیا ہے، اور ہوتا چلا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پاک کلام میں فرمایا:

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

(سورہ رحمن آیت 27،28)

یعنی اس (زمین) پر جو کوئی بھی ہے آخر ہلاک ہونے والا ہے اور صرف وہ بچتا ہے جس کی طرف تیرے جلال اور عزت والے خدا کی توجہ ہو۔

چنانچہ خداوند ذوالجلال کے مامورین باموسم آتے ہیں اور باموسم ہی جاتے ہیں۔ یہ ایسے کونے کے پتھر کی مانند ہوتے ہیں کہ جس پر یہ گرے اُنہیں پیس ڈالتا ہے اور جو اِن پر گرے وہ چکنا چور ہوجایا کرتا ہے۔

(متی باب 21 آیت 44، حقیقۃ الوحی صفحہ 57، آئینہ کمالات اسلام صفحہ 254 تا 257)

البتہ بعض جگہ ڈھیل اور مہلت بھی ملتی ہے مگر بالآخر تباہی و بربادی ہی ہوتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں اور ہلاک ہونے والے مخالفینِ انبیا کے نام ونشان تک مٹا دیئے جاتے ہیں۔ مگر عبرت کے لئے بعض کے نام اور عبرتناک انجام کے ذکر کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پیاروں کو جو تکلیف دے ہم اُس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اُس کو سزا دیتے ہیں اور جو ہمارے کاموں میں روک بنے اُس کو اپنے راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور آتے ہیں تو عقل چاہتی ہے کہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ غیرت بھی دکھائے اور جو اُن کے راستے میں روک ہوں اُن کو اُن کے راستے سے دُور کردے اور جو اُن کی ذلّت چاہیں اُن کو ذلیل کردے اور جو اُن کی ناکامی کی کوشش کریں اُن کو ناکامی کا بھی منہ دکھائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اُس کا تعلق اور اُس کی محبت بے ثبوت رہے اور ماموروں کے دعوے مشتبہ ہوجائیں کیونکہ دُنیا کے بادشاہ اور حاکم جن کی طاقتیں محدود ہوتی ہیں وہ بھی اپنے دوستوں اور اپنے کارکنوں کے راستے میں روک بننے والوں کو سزا دیتے ہیں اور اُن سے عداوت رکھنے والوں سے مؤاخذہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری عقل کا مطالبہ بالکل درست ہے اور اللہ تعالیٰ تصدیق فرماتا ہے کہ اُس کی طرف سے آنے والوں کے دشمنوں اور معاندوں کی ضرور گرفت ہونی چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔

یعنی اس سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی باتوں کو جھٹلاوے۔ بات یہ ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی باتوں کا جھٹلانے والا بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُہْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْہُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝

اور تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں اُن کے ساتھ بھی ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا مگر آخر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اُن میں خاص طور پر ٹھٹھا کرنے والے تھے اُن کو اُن چیزوں نے گھیر لیا جن سے وہ ہنسی کرتے تھے۔ تُو کہہ دے کہ جاؤ زمین میں خوب پھرو اور دیکھو کہ خدا کے نبیوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

(دعوت الامیر، صفحہ 169-168، بعنوان ساتویں دلیل دشمنوں کی ہلاکت)

جہاں تک حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ہے یہ واضح ہے کہ وہ بھی خدا کے مامورین کے سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔ وہ اپنے پیشرو کی طرح دو طرح کی خوبیاں رکھتے تھے اوّل ایک طرف اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلقِ عبودیت رکھتے تھے تو دوسری طرف مخلوق سے گہری شفقت کے جذبات رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے مامورین کے انکار کے نتیجہ سے ہونے والی ہلاکت سے محفوظ رکھنے کیلئے بندگانِ خدا سے شدید دردمندی رکھتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ عافیت کے حصار سے لوگ باہر رہیں۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا۔

"مَیں بکمال ادب وانکسار حضرات علماءِ مسلمانان وعلماءِ عیسائیان و پنڈتانِ ہندوان و آریان یہ اشتہار بھیجتا ہوں اور اطلاع دیتا ہوں کہ میں اخلاقی واعتقادی وایمانی کمزوریوں اور غلطیوں کی اصلاح کے لئے دُنیا میں بھیجا گیا ہوں اور میرا قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہے۔ اِنہی معنوں سے میں مسیح موعود کہلاتا ہوں کیونکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ذریعہ سے سچائی کو دنیا میں پھیلاؤں۔ میں اس بات کا مخالف ہوں کہ دین کے لئے تلوار اُٹھائی جائے اور مذہب کے لئے خدا کے بندوں کے خون کئے جائیں۔ اور میں مامور ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہوسکے اُن تمام غلطیوں کو مسلمانوں سے دُور کردوں اور پاک اخلاق اور بُردباری اور حلم اور انصاف اور راستبازی کی راہوں کی طرف اُن کو بلاؤں۔ میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دُنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ مَیں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اُس سے بڑھ کر۔ میں صرف اُن باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اُصول۔"

(اربعین صفحہ 2-1)

پھر بحیثیت نذیر آپؑ نے یہ بھی واشگاف الفاظ میں فرمایا:-

"میرے پر ایسی رات کوئی کم گذرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے۔ لیکن مجھے اُس کے منہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اِسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 8،9 روحانی خزائن جلد 17، مطبوعہ لندن)

یاد رہے کہ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر اُٹھنے والی طاقتوں کو دنیا نے فرعون، یہودا اِسکریوطی اور ابوجہل وابولہب کے رُوپ میں دیکھا۔ اسی طرح حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی

ماموریں آئے ہیں سب کا انکار و استہزاء کرنے والوں کا عبرتناک انجام ہوتا آرہا ہے۔ کسی بھی مذہب کی تاریخ کو اُٹھا کر دیکھ لیں وہاں اس کی مثالیں مل جائیں گی۔ رامائن کے واقعات کا مطالعہ کریں تو حضرت رام کے مقابل پر راون روپی مخالفت اُٹھی جس کی اپنی حکومت و طاقت ہوتے ہوئے اُسے تباہی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ملا۔ بلکہ راون عبرتناک انجام کو پہنچا۔ حضرت موسیٰ کے مقابل پر فرعون اور اُس کی فوج اُٹھی مگر خدا تعالیٰ کی تقدیر نے دکھا دیا کہ اُس کی لاش کو عبرت کے لئے محفوظ رکھ دیا گیا ہے۔

آج آپ کے سامنے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مخالفین و معاندین میں سے صرف چند کی ہلاکت و ذلّت کا ذکر محض عبرت کے لئے اِس محدود وقت میں کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی نوع انسان سے شدید محبت رکھتے تھے اور جذبۂ خیرخواہی کے تحت اپنی صداقت کو منوانے کیلئے اپنے آپ کو فنا کرلینا چاہتے تھے اور اگر آپ اپنے دعوے میں اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتے تو بڑے درد بھرے انداز میں الحاح کے ساتھ ہرگز یہ دعا نہ کرتے

اے قدیر و خالقِ ارض و سما
اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر
اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر
گر تو دید استی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کن من بدکار را
شاد کن ایں زمرۂ اغیار را

یعنی اَے میرے قادر! زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے خدا! اَے میرے رحیم اور مہربان اور مشکلات کی تاریکی میں رستہ دکھانے والے آقا! اَے دلوں کے بھیدوں کو جاننے والے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں! اگر تو مجھے شر اور فسق وفساد سے بھرا ہوا پاتا ہے اور اگر تو یہ دیکھتا ہے کہ میں ایک بدطینت اور گندہ آدمی ہوں تو اَے خدا تو مجھ بدکار کو پارہ پارہ کرکے ہلاک و برباد کردے۔

(سلسلہ احمدیہ صفحہ 87-86، مطبوعہ قادیان 2008، حقیقۃُ المہدی روحانی خزائن جلد 14)

چنانچہ سعادت مند رُوحوں نے اِس درد بھری دُعا کو سُن کر فوراً لبیک کہا۔ ایک ایسے ہی موقع پر یعنی امرتسر کی عیدگاہ میں بھی بندگانِ خدا کے سامنے دعا کی۔ اپنے مدِّ مقابل کے خلاف کوئی بد دعا نہیں کی۔ صرف اپنے متعلق خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اگر میں اپنے دعوے میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے ہلاک کردے اور پھر اپنے معتقدات پر ایک زبردست تقریر فرمائی۔ آپ کی یہ تقریر اتنی مؤثر تھی کہ مولوی عبداللہ غزنوی کے ایک شاگرد منشی محمد یعقوب صاحب سابق اوورسیئر محکمہ نہر کی تو چیخ نکل گئی اور وہ ہاتھ پھیلائے حضور کے قدموں میں جا گرے اور مجمع عام میں بیعت کرلی۔

(تاریخ احمدیت جلد اوّل صفحہ 467-466، مطبوعہ قادیان 2007)

مگر پھر بھی کچھ بدنصیب محروم رہے اور حضرت اقدس کے دعاوی کے نہ صرف منکر رہے بلکہ استہزاء کا رنگ دکھانے لگے ایسے ہی حالات درپیش ہونے پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اتمام حجت کی خاطر ایک چیلنج دیا یعنی اپنی صداقت کے لئے عقلی نقلی اور رُوحانی دلائل پیش کرنے کے بعد آپؑ نے مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا :

(چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی قدسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے)

''میری سچائی کا پرکھنا تو آسان امر ہے یا کوئی کامل اطاعت کرکے دیکھ لے یا کامل مخالفت کرکے۔ کامل اطاعت سے بھی رُوحانی اور ظاہری انعامات کے لحاظ سے بہت جلد پتہ لگ جائے گا اور سخت مخالفت کا بھی جلد سے ہی نتیجہ مل جائے گا۔ (روزنامہ الفضل قادیان یکم اپریل 1923 صفحہ 9، حیات قدسی حصہ سوم ابتدائی صفحہ مطبوعہ قادیان 2003، ملفوظات جلد چہارم صفحہ 363 فرمودات 12 ستمبر 1905 مطبوعہ قادیان 2003)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہامی کلمات سے آپ کو بتادیا تھا اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

ترجمہ: جو تیری اہانت چاہے گا میں اُسے ذلیل و رُسوا کردوں گا اور جو شخص تیری مدد کرنے کا ارادہ کرے گا اُس کا میں مددگار رہوں گا۔

(تذکرہ 162-161 مطبوعہ قادیان 2006)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ خود ہی فرماتے ہیں

بڑے بڑے مکفرین اور ایذاء دہندہ جو ہیں اُن کو خدا تعالیٰ ہمارے سامنے ہی اس زمین سے ناکام اُٹھا رہا ہے اور اُن کی مرادوں کے برخلاف دن بدن اس سلسلہ کو ترقی دے رہا ہے۔ ابتداء میں جن لوگوں نے بہت زور شور سے مخالفت کا بیڑا اُٹھایا تھا اُن میں سے کوئی 14-15 ایسے یاد ہیں جو ہماری مخالفت کے معاملہ میں ناکام مرچکے ہیں۔ اُن میں سے مولوی غلام دستگیر قصوری تھا جو مکہ سے کفر کا فتویٰ لایا تھا۔ نواب صدیق حسن خان لکھوکے کا، مولوی محمد اور عبدالحئی، رشید احمد گنگوہی، لدھیانہ کے تین مولوی، سید احمد خان جو کہتا تھا کہ ہماری تحریریں بے فائدہ ہیں۔ محمد عمر، مولوی شاہ دین لدھیانوی، نذیر حسین دہلوی، محمد حسین بھینی، مولوی محمد اسماعیل علیگڑھی، رُسل بابا امرتسری۔ جس نے جلد معجزہ دیکھنا ہو اُسے چاہئے کہ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرے یا تو سخت مخالف بنے یا محبت کا کمال تعلق پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو تیری اہانت کرے گا اُس کی میں اہانت کروں گا اور جو تیری عنایت کرے گا اُس کی میں عنایت کروں گا۔ معمولی طور پر مخالفت کرنے والا اور اپنے کاروبار میں چلنے پھرنے والا ماخوذ نہیں ہوتا کیونکہ خدا حلیم اور کریم ہے وہ اس طرح نہیں پکڑتا۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 63-362، فرمودات 12 ستمبر 1905، مطبوعہ قادیان 2003)

واضح ہو کہ الہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ عام چیلنج تھا، عام مخالفین کے لئے۔ مگر خاص مخاطب و مصداق اوّل المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی تھے جو فرقہ اہل حدیث کے لیڈر تھے اور جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن کے واقف تھے اور جنہوں نے آپؑ کی تصنیف براہین احمدیہ کی اشاعت پر ایک زبردست ریویو لکھا تھا اور اس میں آپ کی خدمات کو بے نظیر قرار دیا تھا۔ جب آپؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ مولوی صاحب بگڑ گئے اور سخت ناراض ہوئے اور اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ شاید کتاب براہین احمدیہ پر جو مَیں نے ریویو لکھا تھا اُس پر اُن کے دل میں عُجب پیدا ہوگیا اور یہ بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ گئے اور اس خیال سے اُنہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ یہ میرے ریویو پر نازاں ہے۔ میں نے ہی اس کو بڑھایا ہے اور میں ہی اب اس کو گرادونگا۔ یہ عزم کرکے مولوی صاحب اپنے گھر سے نکلے اور ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا دورہ کیا اور بیسیوں علماء سے کفر کا فتویٰ لیا اور یہاں تک اُن فتووں میں لکھوالیا کہ یہ شخص ہی کافر نہیں بلکہ اس کے مُرید بھی کافر ہیں۔ بلکہ جو شخص ان سے کلام کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور جو شخص ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ اس فتوے کو تمام ہندوستان میں چھپوا کر شائع کیا اور خیال کرلیا کہ اس زبردست حملے سے میں نے ان کو ذلیل کردیا۔ مگر اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ آسمان پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے پکار پکار کر کہہ رہے تھے

وَلَقَدِ اسْتُہْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْہُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ مَیں اس کی ہتک کروں گا جو تیری ہتک کا ارادہ کرے گا۔ ابھی بہت عرصہ اس فتوے کو شائع ہوئے نہیں گذرا تھا کہ اِن مولوی صاحب کی عزّت لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے مٹانی شروع کی۔ اس فتوے کی اشاعت سے پہلے اُن کو یہ عزّت حاصل تھی کہ لاہور (جو اُس زمانے میں دارالحکومت صوبہ پنجاب تھا) جیسے شہر میں جو آزاد طبع لوگوں کا شہر تھا بازاروں میں سے جب وہ گزرتے تھے تو جہاں تک نظر جاتی تھی لوگ ان کے ادب اور احترام کی وجہ سے کھڑے ہوجاتے۔ اور دوسرے غیر مذہب کے لوگ بھی مسلمانوں کا ادب دیکھ کر ان کا ادب کرتے تھے۔ اور وہ جس جگہ جاتے لوگ

اُن کو آنکھوں پر اُٹھاتے ۔ اور حکام اعلیٰ جیسے گورنر و گورنر جنرل اُن سے عزّت سے ملتے تھے ۔ مگر اس فتوے کے شائع کرنے کے بعد بغیر کسی ظاہری سامان کے پیدا ہونے کے اُن کی عزّت کم ہونی شروع ہوئی ۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود اس فرقے (اہل حدیث) کے لوگوں نے بھی اُن کو چھوڑ دیا جس کے وہ لیڈر کہلاتے تھے ۔ اور اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی دیکھا کہ اسٹیشن پر اکیلے اپنا اسباب جو وہ بھی تھوڑا نہ تھا اپنی بغل اور پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے اور اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور چاروں طرف سے دھکّے مل رہے ہیں ۔ کوئی پوچھتا نہیں ۔ لوگوں میں بے اعتباری اس قدر بڑھ گئی کہ بازار والوں نے سودا تک دینا بند کر دیا ۔ دوسرے لوگوں کی معرفت سودا منگواتے اور گھر والوں نے قطع تعلق کر لیا ۔ بعض لڑکوں نے اور بیویوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا ۔ ایک لڑکا اسلام سے مُرتد ہو گیا ۔ غرض تمام قسم کی عزتوں سے ہاتھ دھو کر اور عبرت کا نمونہ دکھا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنی زندگی کے آخری ایام کی ایک ایک گھڑی سے اس آیت کی صداقت کا ثبوت دیتے چلے گئے کہ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ

(دعوۃ الامیر صفحہ 170-169)

اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی چکی چلتی رہی ۔ 1991ء کا سال آیا تو حضرت اقدسؑ کے چوتھے خلیفہ بٹالہ ہوتے ہوئے قادیان تشریف لائے اور بٹالہ سے تحقیق کروائی کہ محمد حسین بٹالوی کا خود بٹالہ میں کوئی نام و نشان ہے بھی کہ نہیں ۔ نہ زندوں میں کوئی واقف کار ملا اور نہ قبر کا پتہ لگا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے مخالفین کی ذلت اور ہلاکت کئی طریقوں سے دکھائی ہے ۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کرے اُن کو آپ کی زندگی میں ہی ہلاک کر دیا ۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ جھوٹے کا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جانا کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ جھوٹے کو لمبی مہلت دی جاتی ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہلاک ہوا ، ان کو اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ، اور مسیلمہ کذاب کا مثیل ثابت کر دیا ۔ اس قسم کے نشانوں میں سے ایک نشان مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کا ہے جو اخبار اہل حدیث کے ایڈیٹر اور فرقہ اہل حدیث کے لیڈر کہلاتے تھے ۔ جب یہ اپنی مخالفت میں حد سے بڑھ گئے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بموجب حکم قرآنی مباہلہ کی دعوت دی ۔ مگر اُنہوں نے مباہلہ میں اپنی خیریت نہ دیکھی اور حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے مختلف رنگ میں بار بار غیرت دلائے جانے کے باوجود یہ گریز پر گریز اور جائے فرار اختیار کرتے چلے گئے ۔ بالآخر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار اہل حدیث میں متواتر لکھنا شروع کیا کہ یہ ہرگز کوئی معیار نہیں کہ سچے کی زندگی میں جھوٹا مرے ۔ اور اُنہوں نے مسیلمہ کذاب کی مثال دی اور کہا کہ میں اس طریق فیصلہ کو منظور نہیں کرتا کیونکہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹے کو لمبی مہلت دی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا فعل بھی اسی کی شہادت دیتا ہے ۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہا ۔ ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو اُن کے بتائے ہوئے معیار کے مطابق پکڑا اور لمبی مہلت دی ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کو زندہ رکھا اور وہ اپنی تحریر کے مطابق مسیلمہ کذاب کے مثیل ثابت ہوئے ۔ اور ان کی زندگی کا ہر دن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک ثبوت اور ان کے مسیلمہ کذاب ہونے کی ایک زبردست دلیل ثابت ہوتا رہا ۔ (دعوۃ الامیر صفحہ 172)

مولوی ثناء اللہ امرتسری جو اپنے آپ کو فاتح قادیان کہلاتے تھے ان کی مہلت والی زندگی میں حضرت اقدس علیہ السلام کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نے 3/اپریل 1924ء کو فرمایا تھا :

"جیسا کہ سنت اللہ ہے ضرور ہے کہ اُن پر ہمیں ظاہری فتح بھی حاصل ہو جو فاتح قادیان کہلاتے ہیں ۔ اُس وقت ان کی اولاد اسی طرح ان کے نام سے شرمائے گی جس طرح ابوجہل کی اولاد شرماتی تھی ۔ دنیا دیکھے گی کہ میری باتیں جو لکھی اور چھاپی جائیں گی پوری ہوں گی کہ ان لوگوں کی نسلیں جو بعد میں آئیں گی وہ یہ کہنا پسند نہ کریں گی کہ محمد حسین یا ثناء اللہ کی اولاد ہیں ۔ وہ یہ کہنے سے شرمائیں گی ۔ ان کے نام سُن کر ان کی گردنیں نیچی ہو جائیں گی ۔"

(قول الحق صفحہ 32 مطبوعہ قادیان طبع اوّل)

چنانچہ خدائی تقدیر جو مکذبین کے لئے چلتی رہی ہے ان کے بارہ میں بھی چلی جسے دنیا نے بھی دیکھا ۔ ان کے بعد ان کے سیرت نگار مولانا عبد المجید سوہدروی نے لکھا :-

"جب مولوی صاحب اپنے وطن امرتسر کو چھوڑ کر پاکستان آ رہے تھے تو آپ کا مکان کو چھوڑنا ہی تھا کہ بدمعاش لٹیرے جو اسی انتظار میں گھات لگائے بیٹھے تھے ، ٹوٹ پڑے اور تمام سامان نقدی زیورات وغیرہ لوٹ کر لے گئے اور اس لوٹ کھسوٹ کے بعد مکان کو بھی نذر آتش کر دیا ۔ لٹیروں نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ آپ کا وہ عزیز ترین کتب خانہ جس میں ہزار ہا روپے کی نایاب و قیمتی کتابیں تھیں اور جن کو آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے جمع کیا تھا اور خریدا تھا جلا کر خاک کر دیں ۔ کتابوں کے جلنے کا صدمہ مولانا کو اکلوتے فرزند کی شہادت سے کم نہ تھا ۔ یہ کتابیں حضرت کا سرمایہ زندگی تھیں اور ان میں سے بعض تو اس قدر نایاب تھیں کہ ان کا ملنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا تھا ۔ یہ صدمہ جانکاہ آپ کو آخر دم تک رہا ۔ اور حقیقت میں آپ کی ناگہانی موت کا سبب یہ دو ہی صدمے تھے ۔ ایک فرزند کی اچانک شہادت اور دوسرے بیش قیمت کتب کی سوختگی ۔ چنانچہ یہ دونوں صدمے تھوڑے عرصہ میں آپ کی جان لیکر رہے ۔"

(سیرت ثنائی صفحہ 390-389 ، مولوی عبد المجید سوہدروی)

پھر اخبار الاعتصام لاہور کا بیان ہے :

"اگست 1947ء میں امرتسر نہایت قیامت صغریٰ کا نمونہ پیش کر رہا تھا ۔ فسادات کے ہلاکت خیز طوفانوں نے مولانا کی اقامت گاہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہر چند کہ وہ اپنے دیگر عزیزوں کے ہمراہ سلامتی سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اُن کی آنکھوں کے سامنے ان کا جوان اکلوتا بیٹا عطاء اللہ بُری طرح ذبح کیا گیا ۔ اُس نے اُن کے قلب و جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۔ پاکستان میں تشریف لا کر مولانا کچھ عرصہ تک گوجرانوالہ میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے سرگودھا جا کر اِقامت پذیر ہوئے اور وہیں چند ماہ کے بعد اپنے اللہ کے حضور تشریف لے گئے ۔"

(اخبار الاعتصام 15 جون 1962 لاہور)

ایک معاند مولوی عبد الرحیم اشرف اس تلخ انجام کے سلسلہ کو دیکھ کر حسرت سے لکھتے ہیں :-

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا ۔ لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم ہوتی گئی ۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا اُن میں سے اکثر تقویٰ ، تعلق باللہ ، دیانت ، خلوص ، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیت رکھتے تھے ۔ سید نذیر حسین دہلوی ، مولانا انور شاہ دیوبندی ، مولانا قاضی سلیمان منصور پوری ، مولانا محمد حسین بٹالوی ، مولانا عبد الجبار غزنوی ، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے اکابر رحمھم اللہ وغفر لھم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں ۔ اگرچہ یہ الفاظ سُننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گے ۔۔۔۔۔ لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخی پر مجبور ہیں کہ اِن اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے ۔"

(اخبار "اَلْمِنْبَر" لائل پور 23 فروری 1956ء ، منقول از حقانیت احمدیت صفحہ 87-86 ، تفہیمات ربانیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "انجام آتھم" میں تمام علماء گدی نشینوں اور پیروں کو "آخری فیصلہ" (مباہلہ) کی دعوت دی ۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں وَاٰخِرُ الْعِلَاجِ خُرُوْجُكُمْ اِلٰى بَرَازِ الْمُبَاهَلَةِ ...هٰذَا اٰخِرُ حِيَلٍ اَرَدْنَاهُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ (انجام آتھم صفحہ 165 ، مطبع ضیاء الاسلام قادیان) کہ آخری علاج تمہارے لئے میدانِ مباہلہ میں نکلنا ہے ۔۔۔۔ اور یہی آخری طریق فیصلہ ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے ۔"

اس دعوتِ مباہلہ میں آپؑ نے فرمایا کہ فریقین ایک دوسرے کے حق میں بددُعا کریں کہ فریقین میں سے جو جھوٹا ہے ، اَے خُدا تو اس کو ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان

پر اور کسی کی عزت پر۔

اور اس کے بعد لکھا :

’’گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ توہین و تکفیر کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو۔‘‘

(انجام آتھم صفحہ 67-66)

بہر حال خداوند ذوالجلال نے سن لیا اور دنیا نے یہ عجیب کرشمہ قدرت دیکھا کہ ’’آپ علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر ثابت نہیں ہوئے بلکہ جو معاند علماء یا گدی نشین اپنی مخالفت پر بدستور قائم رہے انہیں اپنے جرم کی پاداش میں اِن سزاؤں میں سے کسی نہ کسی سزا کو ضرور بھگتنا پڑا۔ چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی اندھے ہوئے، پھر سانپ کے ڈسنے سے مرے، مولوی عبد العزیز صاحب اور مولوی محمد صاحب لدھیانوی جو مشہور مکفرین میں سے تھے صرف تیرہ دن کے وقفے سے یکے بعد دیگرے اس جہان سے کوچ کر گئے اور ان کا پورا خاندان اُجڑ گیا۔ مولوی سعد اللہ صاحب نومسلم اور رُسل بابا صاحب طاعون کا شکار ہوئے مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب فتح رحمانی صفحہ 27-26 میں آپ علیہ السلام کے خلاف بدُعا کی تھی۔ وہ کتاب کی اشاعت سے قبل ہی اجل کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ غرض ان مخالفانہ کاروائی جاری رکھنے والوں میں اکثر آپ کی زندگی میں تباہ و برباد ہوئے۔ چنانچہ سن 1906ء تک ان مخالفین کی اکثریت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جو زندہ تھے وہ بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار تھے۔ آپ کی وفات کے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری سلسلہ احمدیہ کے عروج کا مشاہدہ کرنے کے لئے دیر تک زندہ رہے اور بالآخر پے در پے صدمات میں مبتلا ہو کر فالج سے راہی ملک عدم ہوئے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 551-550 مطبوعہ قادیان سن 2007ء)

پھر ایک دور یہ بھی آیا کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی صداقت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طاعون کا نشان دیا گیا اور اس طاعون کا شکار معاندین ہی ہونے لگے۔ چنانچہ امر واقعہ یہ ہے کہ۔

(نمبر 1) مولوی رُسل بابا امرتسری جس نے حضور کے خلاف گندی کتاب لکھی اور بد زبانی سے کام لیا تھا طاعون کا شکار ہوا۔

(نمبر 2) موضع بھڑی چٹھ تحصیل حافظ آباد میں ایک شخص نور احمد رہتا تھا جس نے تعلّی کی کہ طاعون ہمیں نہیں مرزا صاحب کو ہلاک کرنے آئی ہے۔ اس پر ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ وہ مر گیا۔

(نمبر 3) مولوی زین العابدین نے ایک احمدی سے مباہلہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ خود اور اس کی بیوی اور داماد وغیرہ گھر کے 70 افراد طاعون کا شکار ہوگئے۔

(نمبر 4) حافظ سلطان سیالکوٹی اپنے خاندان کے 9-10 افراد سمیت طاعون سے رخصت ہوا۔

(نمبر 5) حکیم محمد شفیع سیالکوٹی طاعون کا شکار ہوا اور اس کی بیوی اس کی والدہ اور اس کا بھائی سب یکے بعد دیگرے طاعون سے مر گئے

(نمبر 6) مرزا سردار بیگ سیالکوٹی جو اپنی گندہ دہنی اور شوخی میں بڑھ گیا تھا طاعون میں مبتلا ہوا۔

(نمبر 7) چراغ دین جمونی اپنی گستاخیوں کی پاداش میں ہلاک ہوا۔

(نمبر 8) مولوی محمد ابوالحسن نے حضرت اقدسؑ کے خلاف ’’بجلی آسمان برسر دجال قادیانی‘‘ لکھی جس میں کئی مقامات پر کاذب کی موت کے لئے بدُعا کی آخر جلد ہی طاعون سے مر گیا۔

(نمبر 9) ابوالحسن عبد الکریم نام نے جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا چاہا تو وہ بھی طاعون کا شکار ہوگیا۔

(نمبر 10) اسی طرح ایک شخص فقیر مرزا دوالمیال ضلع جہلم کا رہنے والا تھا اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بہت کچھ بد زبانی کرکے یہ تحریری پیشگوئی کی کہ

’’مرزا غلام احمد صاحب کا سلسلہ 27 رمضان المبارک 1321 ہجری تک ٹوٹ پھوٹ جاوے گا اور بڑی سخت درجہ کی ذلت وارد ہوگی جسے تمام دنیا دیکھ لے گی۔‘‘

یہ پیشگوئی 7 رمضان کو لکھی گئی تھی سوا گلے سال جب دوسرا رمضان آیا تو اس کے محلہ میں طاعون نمودار ہوگئی اور پہلے اس کی بیوی پھر خود فقیر مرزا سخت طاعون میں مبتلا ہوگیا۔ اور آخر پورے ایک سال بعد عین سات رمضان کو بتاریخ 16 نومبر سن 1904ء کو ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھتے ہوئے اُٹھ گیا۔

غرض کہ جو بھی حضور کے مقابل آیا مارا گیا، جس نے حضور کے خلاف طاعون پڑنے کی بددعا کی وہ بددعا خود اُسی پر پڑی‘‘

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 80-479، مطبوعہ قادیان سن 2007)

تو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کے لئے
تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

حضرت اقدس علیہ السلام کی تکذیب کرنے والی طاقتیں انفرادی بھی تھیں اور اجتماعی بھی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر بھی آپ کی صداقت کے لئے اسی طرح چلی۔ انفرادی عذاب کی شکل میں بھی اور اجتماعی عذاب کی شکل میں بھی ظاہر ہوئی۔ ابھی جیسا کہ آپ نے سماعت فرمایا ہے خدا تعالیٰ کے مامور کی تکفیر و تکذیب کے نتیجہ میں انفرادی طور پر آپ کی زندگی میں ہی ائمۃ الکفر کی اکثریت عذاب الٰہی کے ذریعہ اپنے اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔ اور پھر ساتھ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی دوسری تقدیر اجتماعی عذاب کی شکل میں اس کی سنت مستمرہ کے مطابق ظاہر ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔ اور ان میں سے بعض کا زمانہ تو اتنا ممتد ہو چکا ہے کہ اس کی انتہاء کا علم خدائے علیم وخبیر ہی کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری تقدیر اجتماعی عذاب الٰہی کی شکل میں اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ عوام الناس مامور زمانہ پر ایمان لاکر اپنی اصلاح کرنے کی بجائے ائمۃ الکفر کے ساتھ تکفیر و تکذیب میں شامل ہو کر ظلم کی راہ اختیار کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا

(سورۃ الکہف آیت 60)

ترجمہ: اور وہ بستیاں جن کو ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دیا ہے (ان کے لئے موجب عبرت ہو سکتی تھیں) اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے پہلے سے ایک میعاد مقرر کر دی تھی تا وہ چاہیں تو توبہ کر لیں۔

چنانچہ اس تقدیر کے مطابق آپ کی زندگی میں ہی سن 1896ء سے سن 1906 تک دوسرے ممالک کے علاوہ صرف ہندوستان میں زلزلہ کے علاوہ صرف طاعون کے عذاب سے 38 لاکھ 86 ہزار 124 اموات ہوئیں۔

(بحوالہ رسالہ الفرقان ربوہ، ماہ اپریل سن 1977ء مضمون حوادث طبعی یا عذاب الٰہی، از قلم حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے قائم کردہ سلسلہ کی تکذیب و تکفیر کے نتیجہ میں خدائے ذوالجلال کی دوسری تقدیر قومی عذاب کی شکل میں ہمارے پڑوسی ملک میں دیکھی جاسکتی ہے جو خود کش حملوں جان و مال کا ضیاع، زلزلہ، سیلاب اور متعدد بیماریوں سے کثرت اموات کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ان بلاؤں کو پاکستان کے ذرائع ابلاغ اور وہاں کے عوام خود عذاب کا نام دے رہے ہیں۔ پاکستان میں شرفاء ہیں اور بے شک یہ لوگ کثرت سے ہیں، مگر خاموش ہیں۔ ان کے بالمقابل چند شر پسند عناصر ہیں جن کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اور آپ کی جماعت پر ظلم کرنا موجب ثواب ہے۔ یہ ایک ملائیت ہے جو دھیرے دھیرے قوم کے نمائندوں اور کارندوں پر مسلط ہو چکی ہے۔ اسی کے اثر سے 5 ستمبر 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں ایک قرار داد پاس کروائی گئی جس کے مطابق جماعت احمدیہ کو قانون اور دستور کی رُو سے غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ اور وہاں کی قومی اسمبلی نے ایک غیر منصفانہ فیصلہ کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کو کسی طرح بھی سچا تسلیم کرنے والا غیر مسلم و کافر ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پوری قوم نے اس فیصلہ کو بڑے مسرت بخش اور اطمینان بخش پیغام کے طور پر قبول کیا۔ چنانچہ روزنامہ نوائے وقت لاہور نے 6 اکتوبر 1974ء کے شمارہ میں لکھا

’’اسلام کی تاریخ میں اس پورے طور پر کسی اہم مسئلہ پر کبھی اجماع امت نہیں ہوا۔ اجماع امت نے ملک کے سب بڑے سے بڑے علماء دین اور حاملان شرع متین کے علاوہ تمام سیاسی لیڈر اور ہر گروپ کے سیاسی رہنما کماحقہٗ متفق ہوگئے ہیں اور صوفیاء کرام اور عارفین باللہ برگزیدگان تصوف و طریقت کو بھی پورا پورا اتفاق ہوا ہے، قادیانی فرقہ کو چھوڑ کر جو بھی 72 فرقے مسلمانوں کے بتائے جاتے ہیں سب کے سب اس مسئلہ کے حل پر متفق اور خوش ہیں۔

(نوائے وقت لاہور 6 اکتوبر 1974 صفحہ 1)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو منجملہ ان اخبار سماویہ کے جو آپ کو مخالفین اسلام اور دشمنان حق کے بارے میں ملیں اور

جو آپ کی زندگی میں ہی ان میں سے اکثر پوری ہو کر آپ کی صداقت اور خدائے عالم الغیب کی زندہ ہستی کا نشان بن گئیں، کچھ ایسی اخبار غیبیہ تھیں جن کے پورا ہونے کا تعلق زمانہ مستقبل سے تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک خبر یہ تھی جس کا انکشاف دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کے بعد معرکۃ الآراء کتاب ''ازالہ اوہام'' میں تحریر فرماتے ہوئے ہوا۔ اور آپ نے اسی کتاب میں اس کو درج فرمایا۔ فرماتے ہیں :

ایک شخص کی موت کی نسبت خدائے تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا جو 52 سال پر دلالت کر رہے ہیں۔ یعنی اس کی عمر 52 سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔ جب 52 سال کے اندر قدم دھرے گا تب اس سال کے اندر اندر راہی ملک بقا ہوگا۔

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد سوم صفحہ 190)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 27 دسمبر 1956ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے اپنے بعد آنے والے خلیفہ ثالث کے متعلق یہ پیش خبری دیتے ہوئے فرمایا :

'' میں ایسے شخص کو جسے خدا تعالیٰ خلیفہ ثالث بنائے ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاکر کھڑا ہوجائے گا تو ...... اگر دنیا کی حکومتیں بھی اس سے ٹکر لیں گی تو وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں گی۔''

(خلافت حقہ اسلامیہ، مطبوعہ قادیان 2007)

چنانچہ جب قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر کا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے وجود میں ظہور ہوا تو معاندین احمدیت نے ایک نیا حربہ استعمال کیا۔ عام بھیڑ، عام ہجوم اور جتھہ سے اُوپر اُٹھ کر خاص منتخب شدہ حکومت کو احمدیت کی مخالفت پر انگیخت کیا۔ بعض روایات کے مطابق سربراہ مملکت سے اس طرح بھی استدعا کی گئی کہ اگر تم قادیانیوں کو حکومت کے سرکاری فیصلہ کے مطابق غیر مسلم اور کافر قرار دے دو تو ہم تمہارے بوٹوں اور جوتیوں کو اپنی داڑھیوں سے پالش بھی کردیں گے۔ ہے تو یہ دلچسپ گزارش مگر حق کی مخالفت کے مقدرہ برے انجام سے نہ وہ بھیڑ اور نہ حکومت کی طاقت اس کو روک سکی۔ المختصر یہ کہ نوے سالہ مسئلہ حل کرنے والے کا کریڈٹ لینے والے کو خود اُسی کی قوم نے بدکار اور قاتل قرار دے کر 5/اپریل 1979ء کو جب کہ اس نے 52 سال کی عمر میں قدم ہی رکھا تھا کہ تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ اور بعد میں اس کے ورثاء کا انجام ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ سیاسی اور حکومتی سطح پر مخالفت کرنے والے کا انجام بھی سیاسی اور حکومتی سطح پر منظر عام پر آ گیا۔ پس سچ ہے اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

قادر کے کاروبار نمودار ہوگئے
کافر جو کہتے تھے گرفتار ہوگئے
کافر جو کہتے تھے نگوسار ہوگئے
جتنے تھے سب کے سب ہی گرفتار ہوگئے

خدا تعالیٰ کے مامور کی جماعت کا قافلہ فتح کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مخالفین کی مخالفت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ ایک کے بعد دوسرا کھڑا ہوتا رہا۔

جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا اور باضابطہ پلان بنایا اور اس پر عمل بھی شروع کردیا اور زبان حال سے دعویٰ کرنے لگا ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی یعنی مجھ کو چھوڑ دو تا میں موسی

(تذکرہ صفحہ 169 مطبوعہ قادیان 2007)

دوسری طرف جری اللہ فی حلل الانبیاء اور مثیل موسیٰ کے چوتھے مظہر اور سالار قافلہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی طرف سے آواز آرہی تھی۔

تم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی جس نے توڑا تھا سر کبر نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیر نمرودیت آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی
یہ دعا ہی کا تھا معجزہ کہ عصا ساحروں کے مقابل بنا اژدہا
آج بھی دیکھنا مردِ حق کی دُعا سحر کی ناگنوں کو نگل جائے گی
دیر اگر ہو تو اندھیر ہرگز نہیں قول اُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن
سنت اللہ ہے لاجرم بالیقیں بات ایسی نہیں جو بدل جائے گی
یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آواز اَے دُشمنِ بدنَوا دو قدم دُور دو تین پل جائے گی
عصر بیمار کا ہے مرض لادوا کوئی چارہ نہیں اب دعا کے سوا
اَے غلامِ مسیح الزماں ہاتھ اُٹھا موت آ بھی گئی ہو تو ٹل جائے گی

(کلام طاہر)

اسی طرح فرمایا :-

اَے مذہب کے پاک سرچشمہ سے پھوٹنے والی لازوال محبت کو نفرت اور عناد میں تبدیل کرنے والو! اَے ہر نُور کو نار میں اور ہر رحمت کو زحمت میں بدلنے کے خواہاں! بدقسمت لوگو جو انسان کہلاتے ہو یاد رکھو کہ تمہاری ہر سفلی تدبیر خدائے برتر کی غالب تقدیر سے ٹکرا کر پارہ پارہ ہوجائے گی۔ تمہارے سب ناپاک ارادے خاک میں ملا دیئے جائیں گے اور رب اعلیٰ کی مقدر چٹان سے ٹکرا کر اپنا ہی سر پھوڑو گے۔ تمہاری مخالفت کی ہر جھاگ اٹھاتی ہوئی لہر ساحل اسلام سے ٹکرا کر ناکام لوٹے گی اور بکھر جائے گی اور اسے پیش قدمی کی اجازت نہیں ملے گی۔ اَے اسلام کے مقابل پر اٹھنے والی ظاہری اور مخفی، عیاں اور باطنی طاقتو سنو کہ تمہارے مقدر میں ناکامی اور پھر ناکامی اور پھر ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔ اور دیکھو کہ اسلام کے جاں نثار اور فدائی ہم وہ مردانِ حق ہیں جن کی سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔''

(خطبات طاہر جلد دوم صفحہ 422-423 مطبوعہ قادیان سن 2007)

یہ دعا کوئی معمولی دعا نہیں تھی بلکہ احکم الحاکمین کے حضور ایک مردِ حق کی طرف سے دُعائے مباہلہ تھی جس سے ٹکرانے کے بعد ایک مضبوط ترین اور محفوظ ترین سمجھا جانے والا آمرِ وقت کا وجود آگ میں جل کر اُس کے سارے بدعزائم کے ساتھ آسمان کی فضاؤں میں راکھ کی طرح بکھیر دیا گیا، سوائے مصنوعی دانت کے۔ اُس زمانہ کے فرعون کی لاش کو نشان عبرت کے طور پر زمین نے اس لئے قبول کرلیا تھا کہ اس نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر اِس زمانہ کے فرعون نے زبان حال سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا (کوئی معبود نہیں سوائے میرے) کا دعویٰ کر کے توحید خالص کے سب سے بڑے نشان کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو مٹانے کا ناپاک عزم کیا تھا، جس کی وجہ سے زمین نے بھی اس کی لاش کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور آسمان نے بھی قبول نہ کیا اور عبرت کے لئے بھی کچھ باقی نہ رہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر یہ بھی ظاہر ہوئی کہ ایک مردہ سمجھا جانے والا اسلم قریشی جس کے مزعومہ ناکردہ قاتل کو ''گرفتار کرو'' کے نعرے لگ رہے تھے اور جس کے جنازے پڑھے جاچکے تھے وہ زندہ ہوگیا۔

سامعین کرام! خاکسار اِن گزارشات کو حضرت اقدسؑ امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ فرمودہ 7/اکتوبر 2011 کے ایک اقتباس کو پیش کر کے ختم کرتا ہے، جس میں آپ نے اس دورِ ابتلاء میں خصوصًا پاکستان کے احمدیوں اور عمومًا 200 ممالک میں بسنے والے احمدیوں کو دعاؤں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

پس خدا تعالیٰ کے آگے مکمل جھک جائیں تا ظالم کا ظلم مکمل طور پر فناء ہوجائے ...... جب ہم اپنی راتوں کے تیروں کو خالص ہو کر چلائیں گے تو یقینا خدا تعالیٰ فوق العادت نشان دکھائے گا۔ ہمارا خدا سچے وعدوں والا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے لے کر اب تک مخالفتوں کی آندھیاں چلتی رہیں یہاں تک کہ خلافت ثانیہ کے وقت احرار نے قادیان کی اینٹ سے اینٹ اُکھاڑنے کی بڑ ماری۔ کسی نے حکومت کے نشہ میں احمدیوں کو کشکول پکڑانے کی بات کی۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا آج احمدیت 200 ممالک میں قائم ہوچکی ہے۔ یہ سلسلہ خدا کا قائم کردہ سلسلہ ہے۔ ہم ہر آن خدا کی تائید ونصرت کے حوالے دیکھ رہے ہیں۔ پس فکر اس بات کی ہے کہ ہم انابت الی اللہ کر رہے ہیں یا نہیں۔ اللہ کے حضور عاجزی کے ساتھ جھک رہے ہیں یا نہیں۔ ہم اپنے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ظالمانہ الفاظ پڑھ اور سن کر صرف بے چینی محسوس کرنے والے نہ ہوں بلکہ راتوں کی دعاؤں میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کو کھینچنے والے ہوں۔ اپنی سجدہ گاہوں کو تر کریں۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو پکاریں، جس نے کمزوروں کو حاکم بنادیا۔ پس اَے خدا ہم تیری رحمت کا واسطہ دے کر آج تجھ سے مانگتے ہیں کہ یہ زمین جو ہمارے لئے تنگ کی جارہی ہے ہمارے لئے گل وگلزار بنادے۔ ہمیں تقویٰ میں ترقی کرنے والا بنا۔ اَے اَرحم الراحمین خدا تُو ہم پر رحم کرتے ہوئے فضل نازل فرما۔ آمین۔

❁ ❁ ❁

بقیہ: اداریہ از صفحہ 1

(۹) آپ کے علم کلام کی نویں خوبی یہ ہے کہ وہ علاوہ عالمی امن کے قیام کے دنیا میں اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے بتایا کہ جس موعود اقوام عالم کا انتظار ہے وہ میں ہوں۔ اور میرے ذریعہ سے دنیا کی اقوام متحد ہوں گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایشیا، افریقہ، امریکہ و یورپ کی بے شمار اقوام کے سفید و سیاہ لوگ نظام خلافت کی لڑی سے جڑ کر ایک عالمی قوم کا اور عالمی وحدت کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے علم کلام کی دسویں خوبی یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی فضولیات اور فحش اور لایعنی اور بیہودہ لاف وگزاف سے بکلی پاک اور منزہ ہے۔ آپ کی ہر بات ضروری ہے اور کوئی بات بھی غیر ضروری نہیں ہے۔

(۱۱) آپ کے علم کلام کی گیارھویں خوبی یہ ہے کہ یہ زبان کی چاشنی سے لبریز ہے۔ اس میں جابجا محاورات زبان حسب ضرورت پائے جاتے ہیں اس میں تشبیہات تلمیحات اور استعارات کی کوئی کمی نہیں ہے۔ آپ نے اُردو ادب میں نئے اسلوب کی بنیاد رکھی ہے۔ اسی طرح آپ نے نئے محاورات اور سلیس مطلب خیز سادہ ترجمہ قرآن مجید کی بنیاد ڈالی جو آپ کے ترجمہ کو دیگر تمام تراجم سے ممتاز کرتا ہے۔ آپ کے کلام میں سنجیدگی۔ متانت وقار شوکت رعب عمدہ خیالات الفاظ کا برمحل استعمال جابجا نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب ''ادب المسیح'' اور ''درثمین فارسی کے کافی محاسن'' قابل دید کتب ہیں۔

(۱۲) آپ کے علم کلام کی بارھویں خوبی یہ ہے کہ اسے مخالفین میں سے سنجیدہ اور حق پسند علم دوست اصحاب اور محققین کی تائید وقبولیت کی سند حاصل ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ فتح نیاز پوری وغیرہ علماء کے بیانات آپ کے علم کلام کی تائید میں کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۱۳) آپ کے علم کلام کی تیرھویں خوبی یہ ہے کہ وہ اعلیٰ ٹھوس معلومات مذہبی اور علم لدنی کے اسرار اور حقائق پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ''سرمۂ چشم آریہ'' کتاب میں آپ نے روح کے حقائق و خواص کے متعلق جو علوم کے دریا بہائے ہیں وہ بڑی سے بڑی انسائیکلو پیڈیا کے برابر ہیں۔ اسی طرح اسی کتاب میں آپ نے آنحضرتؐ کے واقعہ معراج کی جو بلند وبالا پر معارف تفسیر بیان کی ہے اُس کا مقابلہ مفسرین قرآن کی تفسیر بھی نہیں کرسکتیں۔

(۱۴) آپ کے علم وکلام کی چودھویں خوبی یہ ہے کہ غیر معمولی جذب کشش اور تاثیر اپنے اندر رکھتی ہے۔ کوئی مخالف سے مخالف شخص بھی خالی الذہن ہو کہ اگر آپ کی کتب کا مطالعہ کرے تو متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بنا پر مخالف مولوی آپ کی کتب پڑھنے سے مسلمانوں کو منع کرتے ہیں۔

(۱۵) آپ کے علم کی پندرھویں خوبی یہ ہے کہ اسے انسان بار بار پڑھنے سے کبھی اُکتاتا نہیں اور ہر بار پڑھنے سے ایک نیا مزہ آتا ہے۔ خاکسار نے خود کئی بزرگان سے سنا کہ انہوں نے اسلامی اصول کی فلاسفی دس بار پڑھی اور ہر بار ایک نیا لطف اور مزہ حاصل ہوا۔

(۱۶) آپ کے علم کلام کی سولہویں خوبی یہ ہے کہ عالموں جاہلوں واقفوں ناواقفوں سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ ہر ایک کیلئے آپ کے علم کلام میں اپنے ذوق کے مطابق تسکین کے سامان موجود ہیں۔

(۱۷) آپ کے علم کلام میں سترھویں خوبی یہ ہے کہ آپ نے وحی رسالت نزول ملائکہ وکلام الٰہی کے نزول کی کیفیت اپنے مشاہدہ سے بیان فرمائی نہ کہ سنی سنائی باتوں سے یا دیگر کتب سے مستعار لیکر بیان کی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تصویری کارڈ

23 اکتوبر 1904 بوقت ظہر

ظہر کے وقت محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص کی تحریری درخواست بذریعہ کارڈ کے ان الفاظ میں پیش کی کہ یہ شخص حضور کی تصویر کو خط وکتابت کے کارڈوں پر چھاپنا چاہتے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

میں تو اسے ناپسند کرتا ہوں

یہ الفاظ جا کر میں نے اپنے کانوں سے سنے لیکن حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ:

یہ بدعت بڑھتی جاتی ہے میں اسے ناپسند کرتا ہوں

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 171-172 ایڈیشن 2003ء)

(۱۸) آپ کے علم کلام کی اٹھارھویں خوبی یہ ہے کہ اس میں یورپین محققین کے نئے نئے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں۔ اس میں لامذہبیت اور بے دینی کے زہر کا بھی تریاق موجود ہے۔

(۱۹) آپ کے علم کلام میں یہ خوبی ہے کہ جو لوگ اسے مٹانے کیلئے کھڑے ہوتے رہے وہ خود بخود تباہ و برباد ہوتے رہے اور اب بھی ہو رہے ہیں مگر وہ اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی، ثناء اللہ امرتسری، سعد اللہ لدھیانوی، عبداللہ آتھم، پنڈت لیکھرام، چراغ دین جمونی وغیرہ مقابل پر آئے اور آپ کے کلام کے نقائص اور کمیاں بیان کرنی چاہی مگر دنیا کیلئے نمونہ عبرت بن گئے۔ آج ان پر رونے والے بھی موجود نہیں ہیں۔

(۲۰) آپ کے علم کلام کی بیسویں خوبی یہ ہے کہ وہ اُردو فارسی اور عربی میں مشتمل ہے جو دنیا کے ایک وسیع خطہ میں لکھی اور پڑھی و بولی جاتی ہے۔ اس طرح ان علاقوں کی مادری زبان میں آپ نے کلام لکھا۔ آپ کا کلام نظم اور نثر ہر دو صورتوں میں ہے جو مختلف طبائع کے لوگوں پر اثر کرتا ہے۔

(۲۱) اکیسویں خوبی آپ کے علم کلام میں یہ ہے کہ جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی الہام رویا وکشوف ہوتے ہیں۔ اور یہ خوبی آپ کے کلام کو زندگی بخشتی ہے اور یہ خوبی اسے قرآن مجید کی اتباع میں حاصل ہوئی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو اسے قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کے بعد دیگر تمام کلاموں سے افضلیت اور فوقیت عطا کرتی ہے۔ اور یہ خوبی اسلام کے زندہ مذہب کا ثبوت ہے۔

(۲۲) آپ کے علم کلام کی بائیسویں خوبی یہ ہے کہ اس میں تحریف وتبدیلی کے امکانات نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ خود آپ کے ہاتھوں سے تحریر میں آ کر اخباروں رسالوں اور کتابوں کی شکل میں آپ کی زندگی میں شائع ہو چکا تھا۔ جبکہ اس کے بالمقابل بہت سے دیگر مصنفین چاہے وہ کسی بھی زبان کے بڑے نثر نگار ہوں یا شاعر ان کے کلام کو لیکر تحرف وتبدیلی کی بحث جاری ہیں۔ ولیم شیکسپیئر اور غالب کے کلام کے بارے میں آئے دن مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں کہ فلاں تحریر اُس کی نہ تھی کسی اور نے منسوب کردی۔ اللہ کے فضل سے آپ کے کلام کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے علم کلام سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق بخشے۔ اور ہم اس کلام کی حلاوت سے دنیا کو متعارف کروانے والے ہوں۔ آمین۔

(شیخ مجاہد احمد شاستری)

کمپوزنگ وڈیزائننگ: کرشن احمد قادیان